سلسلہ
مواعظ حسنہ
نمبر ۸۰

آدابِ محبت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

سلسلۂ مواعظ حسنہ نمبر ۸۰

آدابِ محبت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسب ہدایت و ارشاد

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

www.khanqah.org

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ امیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

www.khanqah.org

ضروری تفصیل

وعظ : آدابِ محبت
واعظ : عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
تاریخ وعظ : ۱۹ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز جمعۃ المبارک
مقام : مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
مرتب : حضرت سید عشرت جمیل میر صاحب مدظلہ (خلیفہ مُجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ)
تاریخ اشاعت : ۲ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۱ مئی ۲۰۱۵ء بروز جمعرات
زیرِاہتمام : شعبۂ نشرواشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی
پوسٹ بکس:11182رابطہ:+92.21.34972080،+92.316.7771051
ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com
ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

www.khanqah.org

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشرواشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہوکر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشرواشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

عرضِ مرتب ۶
رِیا (دکھاوا) کسے کہتے ہیں؟.. ۷
سنت اور بدعت کی مثال ۹
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کا عاشقانہ ترجمہ ۱۱
سائنسی تحقیقات کا بودا پن.. ۱۲
اسلاف میں شیخ کی کیا عظمت تھی.................................... ۱۴
شیخ کی شفقت و محبت کی مثال.. ۱۸
مہربانی بقدرِ قربانی.. ۱۸
راہِ حق کے مجاہدات اور اس کے انعامات.............................. ۱۹
تعمیلِ احکامِ الٰہیہ کی تمثیل ۲۱
نفس کا ایک خفیہ کید.. ۲۲
دلِ شکستہ کی دولتِ قرب ۲۳
ذکر اللہ سے روحانی ترقی کی مثال ۲۴
موت کے وقت دنیا داروں کی بے کسی ۲۵
دنیاوی محبت کی بے ثباتی ۲۶
خدا کے مجرم کی کوئی پناہ گاہ نہیں..................................... ۲۷
مقرب بندوں سے اللہ کی محبت کی ایک علامت ۲۷
تکبر کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ خطرناک ہے..................... ۲۹
انسانوں کو شیطان کے دو سبق ۳۰

www.khanqah.org

تعلیمِ قرآن و حدیث اور تزکیہ...نبوت کے تین مقاصد ۳۱

شعبۂ تزکیۂ نفس کی اہمیت ۳۲

نفس کی حیلولت کی تمثیل ۳۳

تفسیر آیت وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ...الخ ۳۶

شہادت......عاشقوں کی تاریخِ عشق و وفا ۳۸

شہادت کے متعلق ایک جدید علم ۳۹

آیتِ شریفہ میں اسمائے صفاتیہ عزیز و حمید کے نزول کی حکمت ۳۹

بغیر شیخ کے اصلاح نہیں ہوتی ۴۱

ایمان کا تحفظ صحبتِ اہل اللہ کے بغیر ناممکن ہے ۴۳

شیطانی وَساوِس کا علاج ۴۴

اللہ والا بننے کا نسخہ ۴۶

❁❁❁❁

دیدۂ اشک باریدہ

لذتِ قربِ خدا امت گریہ زاری میں ہے
قرب کیا جانے جو دیدۂ اشک باریدہ نہیں

جس کو استغفار کی توفیق حاصل ہو گئی
پھر نہیں جائز یہ کہنا کہ وہ بخشیدہ نہیں

اخترؔ

www.khanqah.org

عرضِ مرتب

آج امتِ مسلمہ کے ظاہری و باطنی زوال کا باعث گناہوں کا ارتکاب ہے جس کا اصل سبب اہل اللہ کی بابرکت صحبتوں سے دوری ہے کیوں کہ دین کی سمجھ صرف اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے ورنہ عوام تو کیا خواص اہلِ علم بھی دین کی حقیقت سے آشنا نہیں ہوتے۔

مجی و محبوبی، سیدی و سندی، مرشدی و مولائی شیخ العرب والعجم، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا قرآن و حدیث سے مدلل یہ وعظ جہاں اہل اللہ سے تعلق کی اہمیت و ضرورت کو بیان کرتا ہے وہیں اس عظیم تعلق کی حدود و قیود اور آداب کی حدبندی کو بھی واضح کرتا ہے اور گویا اس شعر کی تفسیر ہے۔

بر کفِ جامِ شریعت بر کفِ سندان عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو اور تمام امت کو حضرت والا کے علوم اور دردِ محبت کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت والا کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین۔

العارض

احقر سید عشرت جمیل میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

خادمِ خاص

عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

www.khanqah.org

آدابِ محبت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

رِیا (دکھاوا) کسے کہتے ہیں؟

کوئی شخص نفل پڑھ رہا ہے، تلاوت کر رہا ہے، تسبیح پڑھ رہا ہے اور اسے ساری دنیا دیکھ لے تو یہ رِیا نہیں ہے، کیوں کہ رِیا اُسے کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہ اپنے مالک سے نظر ہٹا کر غلاموں کو اپنا عمل دِکھا رہا ہو، لیکن ایک غلام اپنے مالک کو خوش کرنے کے لیے کوئی عمل کر رہا ہے اور اس کو سارے غلاموں نے دیکھ لیا تو دیکھنے سے ریا نہیں ہوتی دِکھانے سے ہوتی ہے۔ کسی شخص کی نیت دِکھانے کی نہ ہو، لیکن پھر بھی کسی نے دیکھ لیا تو یہ رِیا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک ہے دِکھانا اور ایک ہے دیکھنا، رِیا جب ہے کہ جب دِکھانے کی نیت ہو۔ اور بعض وقت میں تو رِیا کا محض وسوسہ ہوتا ہے رِیا نہیں ہوتی جیسے مکھی آئینے کے اوپر ہوتی ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اندر گھسی ہوئی ہے۔ یہ مثال حکیم الامت مجدد الملت نے دی ہے کہ کسی شیشے پر ایک مکھی بیٹھی ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اندر بیٹھی ہوئی ہے حالاں کہ وہ باہر ہوتی ہے، تو شیطان کبھی باہر باہر سے وسوسہ ڈالتا ہے حالاں کہ قلب کے اندر اخلاص ہوتا ہے مگر دل چوں کہ اللہ اللہ کرنے کی برکت سے شیشے کی طرح صاف ہو گیا ہے اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ رِیا اندر ہے۔ اسی لیے بعض نادان لوگوں نے خوفِ رِیا سے عبادت چھوڑ دی، دیکھا کہ آج دو چار مہمان آ گئے تو اشراق و تلاوت چھوڑ دی کہ مہمان دیکھ لیں گے، اب تہجد بھی نہیں پڑھ رہے ہیں، ذکر بھی چھوڑ دیا، تلاوت بھی چھوڑ دی کہ آج تو مہمان آئے ہوئے ہیں، یہ سب دیکھ لیں گے۔ تو دیکھنے کو رِیا سمجھنے کی وجہ سے بعض نادان، کم عقل، دین کی سمجھ نہ رکھنے والے یا دین کی فہم اللہ والوں سے، اللہ تعالیٰ کے مقبول، محبوب اور خاص بندوں کی صحبت سے نہ حاصل کرنے والے ایسے وقت میں رِیا کے خوف سے عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو سید الطائفہ ہیں، ہمارے بزرگوں

www.khanqah.org

کے بزرگ ہیں، ہمارے دادا پیر بلکہ پر دادا ہیں، فرماتے ہیں کہ جس طرح مخلوق کو دِکھانے کے لیے کوئی عمل کرنا رِیا ہے، اسی طرح مخلوق کے خوف کی وجہ سے کہ لوگ دیکھ نہ لیں کسی عمل کو چھوڑ دینا بھی رِیا ہے۔ ایک شخص روزانہ اشراق پڑھتا ہے، مگر کسی دن دیکھا کہ آج مسجد میں دو چار آدمی ہیں، تنہائی نہیں ملی یا کوئی رشتہ دار آگیا، تو رِیا کے خوف سے اشراق چھوڑنا بھی رِیا ہے۔ جیسے دِکھلانے کے لیے عمل کرنا ریا ہے ایسے ہی مخلوق کے لیے عمل چھوڑنا بھی ریا ہے۔ مخلوق کو عمل دِکھایا یہ بھی ریا ہے اور مخلوق کے خوف سے عمل چھوڑا یہ بھی ریا ہے۔ مخلوق کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا بھی ریا ہے اور مخلوق کے خوف سے کسی عمل کا ترک بھی ریا ہے، کیوں کہ ریا کا تعلق قلب کی نیت سے ہے، ریا خود بخود نہیں چپکتی، یہ کوئی ایسا کھٹمل نہیں ہے جو خاموشی سے خون چوس رہا ہے اور آپ کو پتا بھی نہ چلے۔ مطلب یہ ہوا کہ دل میں نیت کرلیجیے کہ اے اللہ! صرف آپ کے لیے عمل کررہا ہوں، کیوں کہ اگر ساری مخلوق خوش ہوجائے تو ہم کو ایک ذرّہ فائدہ نہیں دے سکتی۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اگر ساری مخلوق مل کر کوئی نفع پہنچانا چاہے اور اللہ نہ چاہے تو نہیں پہنچا سکتی۔ یہ حدیث کا مضمون ہے۔ فرض نماز کے بعد آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر کی کتاب الصلوٰۃ میں علامہ ابنِ ہمام نے لکھا ہے کہ نماز کے بعد آپ اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ[1]

یا یہ دعا مانگتے تھے: اَللّٰھُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ[2]

اے اللہ! جو نعمت آپ دینا چاہیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جو نعمت آپ ہم کو نہ دینا چاہیں، ساری دنیا مل کر اسے دینا چاہے تو نہیں دے سکتی۔ اگر اللہ نہ چاہے کہ یہ آدمی خوش حال ہو یا اس کے پاس دو پیسے ہوں یا اس کے کاروبار میں برکت ہو، تو دنیا بھر کے تمام سیٹھ مل کر اس کو پیسہ دیں تو جتنی دفعہ دیں گے خسارہ آتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ دینے والا بھی تنگ ہوجائے گا اور آخر کار تھک ہار کر بیٹھ جائے گا کہ بھئی! اس کے ہاتھ میں تو برکت ہی نہیں ہے، یہ تو سونا بھی لیتا ہے تو مٹی ہوجاتا ہے۔ اور جب اللہ کا فضل ہوتا ہے تو مٹی اُٹھاتا ہے تو سونا بن جاتا ہے۔

---

[1] جامع الترمذی: ۱/۶۶، باب مایقول اذا سلم، ایچ ایم سعید/ فتح القدیر: ۲/۳۸۹، کتاب الصلوٰۃ، موقع الاسلام

[2] صحیح البخاری: ۱/۱۱۷ (۸۴۸)، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، المکتبۃ المظہریۃ

میرے ایک دوست تھے جو بڑے رئیس تھے، میرے پیر بھائی بھی تھے، کہنے لگے کہ ایک غریب کو میں نے تین دفعہ دس دس ہزار روپے دیے کہ کوئی دوکان کھول لے۔ پہلے زمانے کا دس ہزار آج کے پچاس ہزار کے برابر تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے بار بار مدد مانگتے ہو اور مجھے پریشان کرتے ہو، اس سے اچھا ہے کہ یہ لو دس ہزار روپے اور دوکان کھول لو، تاکہ میں تمہاری مدد سے چھٹی پا جاؤں۔ چند مہینوں کے بعد اس نے کہا کہ صاحب وہ رقم تو ڈوب گئی، برکت ہی نہیں ہوئی، تجارت فیل ہوگئی۔ پھر دس ہزار دیے کہ شاید اب سنبھل جائے۔ غرض تین دفعہ دس دس ہزار روپے دیے، جب تینوں دفعہ اس نے کہا کہ تجارت ڈوب گئی، خسارہ ہوگیا، تب انہوں نے مجھ سے کہا کہ خدا جس کے لیے رزق کی برکت کا فیصلہ نہ کرے اور دنیا بھر چاہے کہ وہ بابرکت روزی کا مالک ہو جائے اور اس کی روزی میں وسعت و کشادگی ہو جائے، تو یہ بندوں کے اختیار میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے سب اپنے اختیار میں رکھا ہے۔

ایک مرتبہ ڈھاکہ سے ایک خط آیا کہ ایک سانپ نکلا اور چاروں طرف پکی زمین، پکی دیوار تھی، پھر وہ اچانک غائب ہوگیا، کوئی سوراخ بھی نہیں ملا جس میں وہ گھس جاتا، اس کے بعد سے میری دوکان میں برکت نہیں رہی، جو روپیہ پیسہ کماتا ہوں تو حساب کے رجسٹر میں تو برکت معلوم ہوتی ہے، لیکن جب گنتا ہوں تو کچھ برکت معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے ان کو خط میں لکھا کہ میں نے تو قرآنِ پاک میں یہ پڑھا ہے: اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ[۳] اللہ جس کی روزی چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں کم کر دیتے ہیں، لیکن آپ کے اس خط سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے روزی کے گھٹانے بڑھانے کا اختیار سانپوں کے حوالے کر دیا۔ بس انہوں نے روتے ہوئے پھر خط لکھا کہ معافی چاہتا ہوں، آپ نے عقیدہ صحیح کر دیا۔

سنت اور بدعت کی مثال

تو اصل تو عقیدے کی اصلاح ہے، ورنہ عمل میں جان نہیں آئے گی جیسے ایک کے دائیں طرف صفر رکھو تو دس بنتا ہے، ایک صفر اور بڑھایا تو سو بنتا ہے، لیکن اگر ایک نہ ہو اور صفر

---

[۳] الرعد:۲۶

رکھتے چلے جاؤ تو سب صفر ہو گا، اسی لیے قیامت کے دن کافروں کے عمل میں وزن نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا[۴]

کافر چاہے کتنے ہی آنکھوں کے ہسپتال کھول دیں، اپنی آنکھیں نکال کر دے دیں کہ یہ آنکھ لگا لینا اور غریبوں میں خوب رضائیاں اور کمبل تقسیم کر دیں، لیکن سارے کافر جہنم میں جائیں گے جب تک کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہیں پڑھیں گے، کیوں کہ جب ایک ہی نہیں ہے تو سارے صفر بے کار ہوں گے۔ سمجھ لو کلمہ ایک کا ہندسہ ہے اور صفر اعمال ہیں، تو جب کلمہ ہی نہیں پڑھا تو گویا ایک نہیں ہے، تو اب سارے صفر یعنی سب اعمال، رفاہی کام وغیرہ غارت ہو گئے، ان کا کوئی وزن ہی نہیں ہے۔ اور کبھی ایک ہوتا ہے، لیکن بے وقوف صفر ایک کے دائیں طرف نہیں لگاتا بائیں طرف لگاتا ہے، اگر ایک کے دائیں طرف صفر لگا ہو تو دس بنے گا، مگر وہ بائیں طرف لگا رہا ہے تو وہ صفر بھی بے کار گئے، یہ بدعت کی مثال ہے۔ ایک، ایمان کی مثال ہے، اگر ایمان کے دائیں طرف صفر رکھو گے تو عدد بنے گا، وزن بنے گا، یہ سنت کے مطابق عمل کا انعام ہے، اس کا وزن ہو گا۔ اور اگر کسی عمل کا قرآن و حدیث میں تذکرہ نہیں ہے، باپ دادا سے رسم لے لی، تو رسم علاقائی، ضلعی، خاندانی، برادری، ملکی اور چاہے بین الاقوامی ہی کیوں نہ ہو سب بے کار ہے، مثلاً ایک شخص کسی بین الاقوامی اجلاس میں گیا جہاں تمام ملکوں کے بادشاہ اور سربراہان آئے ہوئے تھے، وہاں سے کوئی طریقہ سیکھ کر آگیا تو اس عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، عمل تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع سے مقبول ہو گا۔ ایک کے دائیں طرف کا صفر سنت ہے اور بائیں طرف کا صفر بدعت ہے، اس کا وزن اس لیے نہیں ہو گا کہ اس کا مدینے سے تعلق نہیں ہے، آپ ان اعمال کو کسی حدیث میں نہیں پائیں گے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ حیات میں کہیں نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا نبی امت کے لیے ہر معاملے میں نمونہ ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[۵] بتایئے! اگر آپ کسی درزی کو اپنے کرتے کا نمونہ

۴؎ الکہف: ۱۰۵

۵؎ الاحزاب: ۲۱

دیں کہ اس کے مطابق کرتا بنا دو اور درزی ایک بالشت لمبا کر دے تو آپ نے کہا کہ نمونے کے مطابق کیوں نہیں سیا؟ اس نے کہا کہ حضور! کپڑا بچ گیا تھا، اگر کُرتا لمبا نہ کرتا تو کپڑا ضائع ہوتا، لہٰذا میں نے آپ کے ساتھ بھلائی کی ہے۔ ایسے ہی بدعتی بھی کہتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر اذان کیوں ختم ہے؟ نعوذ باللہ! یہ تو ناقص اذان ہے، اس لیے میں اذان کے آخر میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی ملاؤں گا تاکہ کلمہ پورا ہو جائے۔ بتاؤ بھئی! اذان کا آخری کلمہ کیا ہے؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ مگر ایک آدمی اپنی کھوپڑی سے سوچتا ہے کہ یہ تو پورا کلمہ نہیں ہے، اس کی نظر اس پر نہیں جاتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا حکم ایسے ہی دیا ہے، جن سے ہمیں شریعت کا قانون مل رہا ہے، جن کے نمونے پر ہمیں عبادت کرنی ہے اور جینا مرنا ہے، انہوں نے یہی نمونہ دیا ہے، لہٰذا یہاں عقل سے کام نہیں چلے گا کہ اذان کے آخر میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد کلمہ پورا کرو۔ بتائیے! اس طرح اذان غلط ہو جائے گی یا نہیں؟ جیسے درزی نے خلافِ نمونہ ایک بالشت کُرتا بڑھا دیا تھا، لہٰذا جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جیسا سکھایا ہے آنکھ بند کر کے اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کر لو۔ ہاں! اذان کے بعد اب درود شریف پڑھو، اذان کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم ہے، اس کے بعد اذان کے بعد والی دعا اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ الخ[۶] پڑھ لو، اس کے بعد دیکھو کہ اس کا کیا انعام ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ جو اذان کے کلمات کا جواب دے، اس کے بعد درود شریف پڑھے پھر یہ مذکورہ دعا پڑھے، اُس کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کا عاشقانہ ترجمہ

اب میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کا عاشقانہ ترجمہ کرتا ہوں۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کے معنیٰ ہیں آؤ نماز کی طرف۔ یہ ترجمہ عربی قاعدے کی رو سے ہے، لیکن اس کا ایک ترجمہ عاشقانہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بزبانِ مؤذن اعلان فرما رہے ہیں کہ اے میرے غلامو! جلدی جلدی وضو کر کے تیاری کر لو، تمہارے مالک نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔ کہیے! دونوں ترجموں میں کچھ فرق سمجھ میں آیا؟ حَیَّ اسمِ فعل ہے بمعنیٰ تَعَالَ یعنی آؤ، عَلٰی کے معنیٰ ہیں پر، صَلٰوۃ کے معنیٰ

---

[۶] صحیح البخاری: ۸۶/۱ (۶۱۸)، باب الدعاء عند النداء، المکتبۃ المظہریۃ

ہیں نماز یعنی آؤ نماز پر یعنی نماز کی طرف۔ یہ ترجمہ گرامر کا ہے بلحاظ قواعدِ عربیہ، لیکن اس کے اندر ایک ترجمہ عاشقانہ چھپا ہوا ہے بلحاظ قواعدِ عشقیہ کہ اے میرے غلامو! جلدی سے تیاری کرلو، تمہارا مالک جس کی زمین پر تم چل رہے ہو، جس کے آسمان کے نیچے رہتے ہو، جس کے سورج کی روشنی کو بغیر بل ادا کیے ہوئے استعمال میں لاتے ہو، سورج کی روشنی کا کبھی کوئی بل نہیں آتا، جس کی ہر وقت آکسیجن لے رہے ہو، وہ تمہارا مالک تمہیں یاد فرمارہا ہے۔

سائنسی تحقیقات کا بوداپن

کبھی یہ بھی سوچا کہ رات دن جس کی آکسیجن میں سانس لے رہے ہو، تو یہ آکسیجن، یہ ہوا کس نے پیدا کی؟ پوچھ لو دنیا کے تمام سائنس دانوں سے کہ یہ سمندر اور پہاڑ کس نے پیدا کیے ہیں؟ میں نے ایک مضمون میں پڑھا کہ ایک سائنس دان نے کہا کہ جب سورج کی شعاعیں خلیج بنگال کے سمندر پر پڑتی ہیں، تو اس کی گرمی کے بخارات سے بادل بنتے ہیں جن کو مون سون کہتے ہیں، پھر وہ مون سون ہوائیں بادلوں کو لے کر ہمالیہ پہاڑ سے ٹکرا جاتی ہیں، جس کی وجہ سے تمام شمالی ہند ہرا بھرا ہو جاتا ہے، تو اگر کوہِ ہمالیہ نہ ہوتا تو خلیج بنگال کی مون سون ہوائیں ہندوستان کو پار کر کے سمرقند، آذربائیجان، تاشقند اور بخارا میں برستیں اور شمالی ہند منگولیا کے مثل ریگستان ہو جاتا، اناج کا ایک دانہ بھی نظر نہ آتا۔ اس سائنس دان کی تحقیق سن کر سب نے کہا کہ واہ واہ! کیا سائنسی تحقیق ہے، مگر اس سائنسی تحقیقی بورڈ میں ایک ملّا بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: آپ نے اس پر تو واہ واہ کہا کہ خلیج بنگال سے مون سون ہوائیں اٹھیں اور ہمالیہ پہاڑ سے ٹکرائیں، اس لیے شمالی ہند ہرا بھرا ہے، اگر شمالی ہند میں یہ دو ڈھائی ہزار میل طویل کوہِ ہمالیہ کا سلسلہ نہ ہوتا، تو خلیج بنگال کے بادل اور مون سون ہوائیں سب جاکر تاشقند میں برستیں، لیکن آپ نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ خلیج بنگال تمہارے دادا نے پیدا کیا ہے؟ ہمالیہ پہاڑ تمہارے نانا نے پیدا کیا ہے؟ سورج کی شعاعوں سے جو مون سون ہوائیں اٹھیں یہ تمہارے پر دادا نے پیدا کی ہیں؟ اب ذرا سائنس دانوں سے پوچھو کہ تم نے یہ بات تو بتادی، جیسے کسی حلوائی کی رس ملائی میں کسی سائنس دان نے اپنا آلہ ڈال کر کہا کہ دیکھیے صاحب میں ریسرچ کررہا ہوں، اس میں اتنے فیصد ملائی ہے، اتنی فیصد چینی ہے، اتنے فیصد بادام ہیں، غرض سب

تحقیق کر کے ایک چارٹ لکھ کر بنا دیا، پھر رس ملائی والے مرتبان کو اٹھانے لگا، تو حلوائی نے ایک ڈنڈا لگایا اور کہا کہ ریسرچ کرنے سے آپ اس کے مالک نہیں بن سکتے۔ اسی طرح خدا کی دی ہوئی عقل کے صدقے میں اگر سائنس داں اللہ کی نعمتوں کی ریسرچ کرتے ہیں کہ ہوا میں اتنی آکسیجن ہے، اتنی کاربن ڈائی آکسائیڈ ہے، اتنی نائیٹروجن ہے اور اتنی ہائیڈروجن وغیرہ ہے، اس سب تحقیق کے یہ معنیٰ تھوڑی ہیں کہ تم ہوا کے مالک بھی ہوگئے، کیوں کہ یہی ہوا جب طوفانی صورت اختیار کرلیتی ہے، تو تمہاری سائنسی مشین اور آلات اُڑا لے جاتی ہے۔ جب سمندر میں طوفان آتا ہے، تو اخبار میں اعلان ہوتا ہے کہ فلاں ساحل کی طرف اتنی رفتار سے طوفان آرہا ہے اور سائنس دان کہتے ہیں کہ ہم نے مقابلے کی مکمل تیاری کرلی ہے، لیکن جب طوفان آتا ہے تو ان کی مشینیں بھی اُڑا لے جاتا ہے اور سائنس دانوں کو بھی لے جاتا ہے۔

جہاں طوفان میں پھنس کر سفینہ ڈگمگاتا ہے
وہیں قدرِ خدا و ناخدا معلوم ہوتی ہے

ناظم آباد میں ہارٹ اسپیشلسٹ ایک مریض کے قلب کی رفتار شمار کر رہا تھا، اس کی انگلیاں مریض کی نبض پر تھیں اور گھڑی بھی دیکھ رہا تھا، اتنے میں خود اس کا ہارٹ فیل ہوگیا اور ڈاکٹر صاحب خود ہی چلے گئے۔ ایک مشہور ڈاکٹر جو پھیپھڑے کا اسپیشلسٹ تھا، اس کا ایک پھیپھڑا بیماری سے ضایع ہوگیا اور وہ اُسی مرض میں مرا جس کا وہ اسپیشلسٹ تھا۔ اس لیے دوستو! آج سائنس دانوں کی حقیقت بھی سمجھ لو۔ ایک بڑھئی دیوار میں کھونٹا ٹھونک رہا تھا، دیوار نے چلّا کر کہا: اے کھونٹے! میرے اندر مت گھس۔ سائنس دانوں نے کہا کہ اس کھونٹے کی رفتار ہم بتائے دیتے ہیں کہ اتنی رفتار سے دیوار میں گھس رہا ہے اور اتنا نوکیلا ہے، اتنا موٹا ہے، سائنس دان سائز بھی بتا رہے ہیں، لیکن جو کھونٹا ٹھونک رہا ہے اس سے چھڑانے کی طاقت سائنس دانوں میں نہیں ہے۔ قَالَ الْجِدَارُ لِلْوَتَدِ لِمَ تَشُقُّنِیْ دیوار نے کھونٹے سے کہا میرا کلیجہ کیوں پھاڑتا ہے؟ کھونٹے نے ہنس کر کہا قَالَ الْوَتَدُ اُنْظُرْ اِلٰی مَنْ یَّدُقُّنِیْ جو مجھے ٹھونک رہا ہے اس کو راضی کرلو پھر میں تیرے اندر نہیں گھسوں گا۔ بڑھئی کو راضی کرلو، کھونٹا تو اسی کی مرضی سے آرہا ہے۔ کیا آسمانی اور زمینی آفات کو سائنسی آلات روک سکتے ہیں؟ ہاں! وہ بندے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کیے ہوئے ہیں ان کی دعاؤں سے بلائیں رُک جاتی ہیں۔

ایک گاؤں میں ایک مجذوب رہتا تھا، ایک مرتبہ دریا میں سیلاب آنے لگا، سب نے کہا چلو مجذوب صاحب! اس طرف کھدائی کریں، تاکہ سیلاب کا رُخ کہیں اور ہو جائے اور اپنے حصے کی طرف سے مٹی اونچی کریں۔ تو مجذوب نے گاؤں کی طرف اور ڈھلان کر دی۔ سب چلّانے لگے کہ اس طرح تو اور زیادہ پانی آجائے گا۔ اس نے کہا کہ اگر پانی میرے مولیٰ کی مرضی سے آتا ہے تو ہم اس کے لیے راضی ہیں، چناں چہ مجذوب کے اس تسلیم کی برکت سے سیلاب ہٹ گیا۔ لیکن یہ مجذوبوں کا معاملہ ہے، آپ مجذوب نہ بنیے گا، مجذوب معذور ہوتا ہے، ان کی پہچان بڑی مشکل سے ہوتی ہے، ہر ایک کو مجذوب سمجھنا جائز نہیں ہے۔ جن کو لوگ مجذوب سمجھتے ہیں ان میں سے نوے فیصد پاگل ہوتے ہیں۔ مجذوب وہ ہوتے ہیں جن کو اللہ والے پہچانتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ یہ اپنے وقت کا مجذوب ہے۔

اسلاف میں شیخ کی کیا عظمت تھی

چناں چہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دو خلفاء تھے، مولانا سخاوت علی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا کرامت علی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم بنگال جاؤ اور وہاں ہدایت کا کام کرو، مگر کہیں ٹھہرنا مت۔ تو مولانا کرامت علی صاحب ساری زندگی صوبہ بنگال میں سفر کرتے رہے اور واقعی یہ ان کا فیض ہے کہ جدھر جدھر سے ان کے قدم گزرے ہیں وہاں مسلمانوں کی تعداد اب بھی زیادہ ہے۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوسرے خلیفہ مولانا سخاوت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم پڑھایا کرنا اور کہیں مت جانا، بس ایک جگہ جونپور میں بیٹھ جاؤ۔ اب مولانا سخاوت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی نورانی قاعدہ پڑھنے آیا تو اس کو بھی پڑھا دیا، کوئی بخاری شریف پڑھنے آیا اس کو بھی پڑھا دیا۔ کسی نے کہا کہ اتنے بڑے عالم ہو کر آپ نورانی قاعدہ کیوں پڑھاتے ہیں؟ بخاری شریف پڑھایا کریں۔ فرمایا ہمارے پیر نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بخاری شریف پڑھانا، یہ فرمایا تھا کہ پڑھایا کرنا، لہٰذا جو پڑھنے آئے گا اس کو پڑھا دوں گا۔ یہ حضرات تھے جو اپنے شیخ کی اتنی عظمت کرتے تھے، جبھی تو ان سے فیض ہوتا تھا۔ آج تو ہر مرید خود شیخ بنا پھرتا ہے، اس کے دل میں کوئی رائے آگئی تو شیخ کو بھی رائے دے گا، اسی لیے میخ کے میخ بنے ہوئے ہیں۔

www.khanqah.org

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیس میل پیدل جاتے تھے۔ آج دو میل والے کہتے ہیں کہ صاحب بہت دور ہے۔ جب میں ناظم آباد سے گلشن اقبال آیا، تو ایک صاحب نے لکھا کہ جب سے آپ گلشن اقبال گئے ہیں کچھ مزہ نہیں آرہا ہے، اب اللہ کی محبت کی باتیں کس سے سنوں؟ انہوں نے ایک شعر میں شکایت لکھی۔

کس سے پوچھوں بہار کی باتیں
اب صبا بھی اِدھر نہیں آتی

میں نے شعر کا جواب شعر میں دیا۔

تم ہی گلشن میں کیوں نہیں آتے
جب صبا بھی اُدھر نہیں جاتی

تو میں عرض کررہا تھا کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت گنگوہی کی خدمت میں بیس میل پیدل جاتے تھے اور بیس میل پیدل واپس آتے تھے۔ ایک دفعہ اس زمانے میں پہنچ گئے جس زمانے میں وہاں بدعات کا کوئی میلہ ہوتا تھا۔ حضرت نے سوچا کہ مجھے تو اپنے پیر سے ملنا ہے، ان بدعتیوں کے میلے سے میرا کیا ضرر ہے، لیکن مولانا گنگوہی نے جیسے ہی انہیں دیکھا فوراً فرمایا: میاں محمود الحسن! فوراً واپس جاؤ۔ کہنے لگے: کیوں حضرت، کیا بات ہے؟ فرمایا تم نے اس زمانے میں یہاں آکر بدعتیوں کے میلے میں تعداد بڑھادی اور حدیث میں ہے مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[ک] جو کسی قوم کی تعداد بڑھادے وہ اُن ہی میں شمار کیا جائے گا۔ ایک بزرگ نے ہولی کے زمانے میں ایک گدھے پر پان کھا کر تھوک دیا اور کہا: تجھ سے کسی نے رنگ نہیں کھیلا، لاؤ تجھ پر میں رنگ ڈال دوں۔ مرنے کے بعد ایک بزرگ نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مواخذہ کیا کہ تم نے کافروں کی مشابہت کیوں اختیار کی؟ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مدینہ کے قبرستان میں ایک قبر کھودی گئی، تو دیکھا کہ فرانس کی ایک لڑکی دفن ہے۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ میں

ک کنز العمال: ۹/۲۲(۲۴۷۳۵)، باب فی الترغیب فیھا من کتاب الصحبۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

نے اس کو قرآن شریف پڑھایا تھا، یہ ماں باپ سے چھپ کر مسلمان ہوگئی تھی، مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو فرانس سے مدینہ کی اس قبر میں بھیج دیا اوراس قبر میں ایک عالم صاحب دفن تھے، اس عالم کو جاکے فرانس میں دیکھا گیا، تو دیکھا کہ اس لڑکی کی قبر میں لیٹے ہوئے ہیں۔ اس عالم کی بیوی سے جاکے لوگوں نے پوچھا کہ کیا اس کا کوئی ایسا گندہ عمل تھا جس کی وجہ سے خدا نے مدینے سے اس کو نکال دیا اور فرانس کی نومسلم لڑکی کو وہاں سے مدینہ بھیج دیا؟ تو اس کی بیوی نے بتایا کہ ہاں! ایک سخت بات کہتے تھے، صحبت کر چکنے کے بعد جب غسلِ واجب کا مرحلہ آتا تھا، تو کہتے تھے کہ عیسائیوں کے مذہب میں یہ بڑا اچھا قانون ہے کہ صحبت کرنے کے بعد غسل واجب نہیں ہوتا۔

مولانا مسیح اللہ خاں صاحب حضرت تھانوی کے اکابر خلفاء میں سے تھے، اسّی سال کی عمر میں ہر سال لاہور کے اجتماع میں ہندوستان سے تشریف لاتے تھے، فرمایا کہ گناہ کو کم سے کم گناہ تو سمجھو، حرام کو حلال مت سمجھو، کم سے کم عقیدہ تو صحیح ہو۔ اگر کسی ایک قانونِ شریعت کا مذاق اُڑالیا یا یوں کہا کہ یہ ہندوؤں کے ہاں اچھا ہے، عیسائیوں کے ہاں اچھا ہے، یہودیوں کے ہاں اچھا ہے، تو گویا اسلام کے قانون کا اس نے مذاق اُڑایا، اسلام کے قانون کو غیر پسندیدہ قرار دیا، جبکہ اسلام سے زیادہ پاکیزہ اور حسین قانون کوئی نہیں ہے جو کونین کی عزتوں اور عشرتوں کا ضامن ہے اور امن وسلامتی کا مذہب ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ آج اس ملک میں یہ سوال ہوتا ہے کہ کون کون لوگ اسلام پسند ہیں، کون سی جماعت اسلام پسند ہے؟ میں تو کہتا ہوں کہ اس جملے کو منہ سے نکالنے سے پہلے ایسے نالائقوں کو موت آجاتی، کیوں بھئی! مسلمانوں سے یہ پوچھنا کیسا ہے کہ کیا آپ اسلام پسند ہیں؟ ارے مسلمان تو ہوتا ہی وہ ہے جو اسلام پسند کرتا ہے۔ یہ تو برطانیہ اور ہندوستان میں کوئی پوچھے کہ کون کون اسلام پسند ہیں؟ مسلمان کتنے ہیں؟ مگر کیا کہیں عجیب معاملہ ہے۔

تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الہند سے فرمایا کہ آج کل یہاں گنگوہ میں ایک میلہ لگ رہا ہے جس میں اہلِ بدعت جوق در جوق آرہے ہیں، ہر سال قبروں پر ان کا میلہ لگتا ہے اور تم نے یہاں آکر ان کی تعداد بڑھادی، لہٰذا فوراً واپس جاؤ۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم تھے، لیکن شیخ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بڑے سے بڑے عالم

مرید کو ڈانٹ سکتا ہے۔ بیٹا کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کو تنبیہ کر سکتا ہے۔ اور حضرت گنگوہی نے سخت لہجے میں فرمایا کہ میرے پاس ایک سیکنڈ بھی مت ٹھہرو، فوراً واپس جاؤ، یہ بھی نہیں فرمایا کہ بیس میل پیدل چل کر آئے ہو، کچھ کھا پی لو، بلکہ فرمایا کہ فوراً واپس جاؤ۔ یہ ہیں اللہ والے جو اپنے مریدین کو اس طرح سے سنوارتے ہیں۔ یہ سنوارنا ہے، یہ بنانا ہے۔ مرید ایسے ہی بنتا ہے، جب ڈانٹ کھاتا ہے تب ڈینٹ نکلتا، ہے جیسے موٹر میں کبھی ڈینٹ آجاتا ہے تو گیراج والے اس کا ڈینٹ نکالتے ہیں، اسی طرح شیخ بھی نفس کا ڈینٹ نکالتا ہے، کبھی غفلت کا ڈینٹ ہے، کبھی بڑائی کا ڈینٹ ہے، کبھی اللہ کی محبت کی کمی کا ڈینٹ ہے، کبھی دنیا کی محبت کا بیوی کی محبت کا، کاروبار کی محبت کا ڈینٹ ہے کہ یہ محبت اتنی غالب آگئی کہ نہ جماعت کی نماز کی فکر ہے نہ آخرت کی فکر ہے، سمجھتا ہے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ مسافر جب پردیس کو وطن سمجھنے لگے تو اس کے دماغ کا آپریشن ضروری ہے، ورنہ وطن خراب کر دے گا جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور پردیس میں ہر وقت رنگ رلیوں میں لگا رہے گا، لہٰذا شیخ الہند فوراً قصبہ گنگوہ کی طرف واپس چل پڑے، راستے میں ان کا ایک شاگرد ملا۔ شیخ الہند بہت بڑے عالم تھے، طلباء کو بخاری شریف پڑھاتے تھے، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے شاگرد ہیں تو ان کے شاگرد نے کہا: حضرت ہاتھ جوڑتا ہوں تھوڑا سا کچھ کھالیں، تھوڑا سا شربت پی لیں، فرمایا کہ میرے شیخ نے فرمایا ہے فوراً قصبہ خالی کر کے واپس جاؤ، اگر میں تمہارے ہاں پانی، یا شربت پیوں گا یا کچھ کھاؤں گا تو فوراً کا حق ادا نہ ہو گا۔ بتایئے! کیا ان کے شیخ اس وقت دیکھ رہے تھے؟ مولانا گنگوہی ان کو دیکھ رہے تھے؟ یہ ہیں اللہ والے۔ فرمایا کہ اے میرے شاگرد! میں ایک منٹ بھی تمہارے یہاں نہیں بیٹھوں گا، میرے شیخ نے فوراً کا لفظ کہا ہے۔ کیا میرا شیخ بے رحم ہے؟ وہ پانی نہیں پلا سکتا تھا؟ وہ ہمیں روٹی نہیں دے سکتا تھا؟ انہوں نے جو کچھ کہا ہماری اصلاح کے لیے کہا۔

بعض دفعہ شیخ کی ایک ڈانٹ میں وہ اثر ہوتا ہے کہ سو برس کے تہجد سے اُس مقام پر پہنچنا مشکل ہوتا ہے جہاں شیخ کی ایک ڈانٹ پہنچا دیتی ہے۔ پس شیخ الہند فوراً واپس آگئے۔ یہ تھی شیخ و مرشد کی عظمت۔ آج تو مرید کو ذرا سا ڈانٹ دو تو اس کا منہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ مرید قرضہ مانگے اور شیخ نہ دے، تو کہتا ہے کہ ایسے بخیل پیر کو چھوڑ دو۔ چاہتے ہیں کہ بس پیر ان کو

حلوہ کھلائے اور گلے سے لگائے تو بس وہ پیر ہے، حالاں کہ اصلی پیر تو وہ ہوتا ہے جو دل سے غفلت کی پیرا (مرض) نکال دے۔

شیخ کی شفقت و محبت کی مثال

چناں چہ شیخ الہند اپنے پیر و مرشد کے حکم سے واپس آگئے۔ اب ذرا اِن پیر و مرید کے تعلق کا دوسرا رُخ بھی سن لیجیے۔ شیخ الہند کی حضرت گنگوہی کی خدمت میں ہر ہفتے حاضری ہوتی تھی، ایک دفعہ زیادہ دن کے بعد حاضری ہوئی تو حضرت گنگوہی کی خدمت میں ایک صاحب آئے ہوئے تھے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ نواب صاحب کے لیے کھانا آیا ہے تو پیچھے ہٹنے لگے، حضرت گنگوہی کی بینائی جاتی رہی تھی، اندازے سے سمجھ لیا کہ شیخ الہند کھسک رہے ہیں۔ پوچھا کہ محمود الحسن کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے کہ حضرت! نواب صاحب آپ کے ساتھ کھانا کھائیں گے اور نواب صاحب حضرت سے تو عقیدت لے کر آئے ہیں، لیکن ہو سکتا ہے مجھ جیسے طالبِ علم کے ساتھ کھانے میں ان کو تکلف ہو اور شرم آئے۔ تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ یہاں آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ، اگر نواب صاحب کو ناگواری ہوگی تو ان کو اس کمرے میں کھانا بھجوادوں گا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں، لیکن تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ گے۔ تیرا میرا جینا مرنا ایک ساتھ ہے۔ دیکھیے یہ ہے ان کی محبت کا دوسرا رُخ۔ بعض وقت پیر نے ایک مرید کو پانچ روپیہ ہدیہ دیا اور دوسرے مرید کو سو روپیہ دیا، پھر دنیا دار مرید کے نفس کی قلابازیاں دیکھیے کہ اس کا نفس کتنی گالیاں دیتا ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتا کہ کس مرید نے شیخ کے کتنے ناز اٹھائے ہیں اور اللہ کی راہ میں کتنی قربانی دی ہے۔ جتنی جس کی قربانی اتنی خدا کی مہربانی۔

مہربانی بقدرِ قربانی

سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے جب خدا کی محبت میں آدھی رات کو سلطنتِ بلخ چھوڑ کر گدڑی پہنی اور نیشاپور کے جنگل میں عبادت کرنے گئے، تو ان کے لیے آسمان سے کھانا آیا اور سارا جنگل خوشبو سے معطر ہوگیا۔ وہیں ایک فقیر کو دس سال سے خدائے تعالیٰ کی طرف سے چٹنی روٹی مل رہی تھی، اس نے اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا کہ اے اللہ! میں گھاس

کاٹتا ہوں پھر شہر جاکر گھاس بیچتا ہوں اور جو پیسے ملتے ہیں اس سے اپنا پیٹ بھرتا ہوں، اگر آپ میرے لیے کھانے کو کچھ بھیج دیا کریں، تو اتنا وقت بچے گا اور اتنی دیر مزید آپ کی عبادت کرلیا کروں گا۔ آپ کے لیے کیا مشکل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے منظور کرلیا اور فرمایا: اپنا کھرپا جس سے گھاس کاٹی جاتی ہے اور لکڑی کی جھولی جس میں گھاس رکھتے ہیں دونوں یہیں رکھ دے اور دس سال سے اس کو چٹنی روٹی غیب سے ملتی رہی۔ لیکن جب سلطنتِ بلخ چھوڑ کر فقیری کے لباس میں سلطانِ بلخ اسی جنگل میں آئے اور ان کے لیے جنت سے خوشبودار بریانی آئی، تب اس مجذوب کی بے وقوفی کھلی، اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ اللہ میاں! کیا آپ کے بھی دو آنکھیں ہیں، میں یہاں دس سال سے آپ کی عبادت کر رہا ہوں اور مجھے دس سال سے چٹنی روٹی مل رہی ہے اور یہ آدمی کل جنگل میں آیا اور آپ نے اس کو اتنی ترقی دی کہ پہلے ہی دن ایم ایس سی کی ڈگری دے دی اور اس کو بریانی کی پی ایچ ڈی کھلا رہے ہیں! حالاں کہ ؎

وہ عاشق کل ہوا میں ہوں تیرا دیوانہ برسوں سے

فوراً آسمان سے آواز آئی او بے ادب! تیرا وہ کھرپا اور جھولی میں نے اِسی دن کے لیے رکھوایا تھا، چوں کہ مجھے مستقبل کا علم تھا کہ تیری عقل کم ہے، تو مجھ پر اعتراض کرے گا، تو نے بارہ آنہ مجھ پر قربان کیے، آٹھ آنے کی کھرپی اور چار آنے کی جھولی، یہ اپنا کھرپا اور جھولی لے جس میں گھاس رکھتا تھا، آج کے بعد روزانہ گھاس کاٹ، آج سے چٹنی روٹی بند اور یہ جس پر تو نے اعتراض کیا ہے، اس نے میرے لیے سلطنت چھوڑی ہے، وزیروں کی سلامی چھوڑی ہے، مخمل کے گدے چھوڑے ہیں، شامی کباب و بریانی چھوڑی ہے۔ تو میاں سن لو ؎

اس کے جرے تو کس نہ بسائے

یعنی جو اپنے کو جتنا جلاتا ہے خدا بھی اس کو اتنا ہی خوشبودار کرتا ہے۔

راہِ حق کے مجاہدات اور اس کے انعامات

جو جتنا مجاہدے سے گزرتا ہے، مخلوق کے طعنے برداشت کرتا ہے اس کا ایمان بھی اتنا ہی اونچا بنتا ہے۔ آج ہر سنت پر مخلوق کا طعنہ ملتا ہے، پاجامہ ٹخنے سے اوپر کرلو، تو کہتے ہیں کہ ارے میاں! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ ٹخنے سے اوپر کرکے آپ نے تو پتلون کی مٹی پلید کردی، پتلون

کی عزت ختم کر دی۔ آج ہر سنت پر طعن و تشنیع ہوتی ہے۔ داڑھی ایک مٹھی تینوں طرف سے رکھنا واجب ہے، دیکھو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "داڑھی کا وجوب" لیکن آج جو ایک مٹھی داڑھی رکھ لے تو اس پر بھی لعن طعن شروع ہو جاتی ہے، ہر طرف سے اس کو یہی مجاہدہ ہوتا ہے، مگر کچھ دن کے لیے، یہ امتحان زیادہ دن نہیں ہوتا۔ الیکشن زیادہ دن نہیں لڑا جاتا۔ جب شیطان کا لشکر دیکھ لیتا ہے کہ یہ تو بیوی سے بھی نہیں ڈرا، دفتر والوں سے بھی نہیں ڈرا، اڑوسی پڑوسی سے بھی نہیں ڈرا، یہ تو کسی کے کہنے سے داڑھی نہیں کٹا رہا ہے، تو آخر میں وہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر جب طعنے دینے والوں میں سے کسی کا بیٹا یا بیوی بیمار ہوتی ہے، تب وہ اسی داڑھی والے کے پاس جاتا ہے، کہتا ہے کہ حضرت جی دعا کر دو بیٹا اچھا ہو جائے۔ یہ کون ہیں؟ یہ اس کے افسر ہیں جو پہلے ہنستے تھے، اب اپنے ماتحت سے دعا کرا رہے ہیں۔ اور جب بیوی نے دیکھا کہ میاں کی پوری داڑھی ہے اور اشراق بھی پڑھ رہے ہیں اور سجدے میں بھی بہت روتے ہیں، تب جناب نافرمانی اور لڑائی سب چھوڑ دی، اب ڈرتی ہے کہ کہیں میرا شوہر اللہ میاں سے کچھ کہہ نہ دے۔ ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا یوسف لدھیانوی سے ایک دن فرمانے لگے کہ میری تمہاری کوئی جان پہچان نہیں تھی، لیکن جب سے تم میرے پاس آنے جانے لگے اور مجھ سے تعلق اصلاح و تربیت کا قائم کیا اور میں نے اللہ کے بھروسے پر تم کو خلافت دی، اب اس کے بعد ہمیں تم سے محبت ہے اور تم کو مجھ سے محبت ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب تم سے کوئی کہتا ہے کہ میں ڈاکٹر عبد الحی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں مگر میری ان سے کوئی جان پہچان نہیں ہے، تو مولانا صاحب آپ کہتے ہیں کہ لاؤ، ہم ایک پرچہ لکھتے ہیں اب آپ مجھے پرچہ لکھتے ہیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب یہ میرا خاص آدمی ہے اور آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہے اور اسی طرح جب مجھ سے کوئی کہتا ہے کہ مجھے مولانا یوسف لدھیانوی سے ملنا ہے اور میری ان کی کوئی جان پہچان نہیں ہے تو میں اس کے لیے پرچہ لکھتا ہوں کہ مولانا یوسف لدھیانوی یہ میرا خاص آدمی ہے۔

دونوں جانب سے اشارے ہو چکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے

اسی کا نام نسبت ہے۔ جب اللہ سے بندے کی نسبت قائم ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور بندہ بھی اللہ کے قانون کی حفاظت پر جان دیتا ہے۔

www.khanqah.org

تعمیلِ احکامِ الٰہیہ کی تمثیل

ایک مرتبہ شاہ محمود نے کہا کہ میرا یہ موتی جو پورے ملک میں نایاب ہے، کہیں باہر سے منگایا ہے، اے وزیرو! تم اس کو توڑ دو، ہر وزیر آیا اور کہا: واللہ! ہم اس کو نہیں توڑیں گے، کیوں کہ شاہ محمود آپ کے خزانے میں یہ موتی نایاب ہے۔ شاہ محمود نے ان کی بات سن کر ان سب کو شاہی خلعت انعام میں دی۔ پھر اپنے غلام ایاز کو بلایا، محمود جانتا تھا کہ ایاز میرا عاشق ہے، میرا دیوانہ ہے، یہ وزیر تنخواہ دار ہیں، خود غرض ہیں، عاشق نہیں ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ باپ بڑا نہ بھیّا سب سے بڑا روپیّہ، یہ تنخواہ دار لوگ کیا جانیں کہ محبت کیا چیز ہے؟ تو شاہ محمود نے ایاز کو بلا کر کہا کہ اے ایاز! پینسٹھ وزیروں نے میرا موتی نہیں توڑا اور سب کو میں نے انعام دیا، لیکن میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو یہ شاہی موتی توڑ دے۔ ایاز نے پتھر اٹھایا اور موتی پر مارا، موتی چکنا چور ہو گیا اور اس کے ذرّے ذرّے بکھر گئے۔ پینسٹھ وزیروں نے کہا ؎

ایں چہ بے باکی ست واللہ کافر است
ہر کہ ایں پُر نور گوہر را شکست

واللہ! یہ شخص بڑا ہی نالائق ہے جس نے بادشاہ کے خزانے کا نایاب موتی، جس کا بدل نہیں تھا اُس کو توڑ دیا۔ محمود بادشاہ نے کہا: ایاز تم اس کا جواب دو۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے میری محبت کا حق ادا کیا ہے لیکن تم اس کا جواب دو کہ تم نے اس موتی کو کیوں توڑا؟ ان پینسٹھ وزیروں کے دماغ میں کیا گوبر بھرا ہوا تھا؟ ان لوگوں نے کیوں نہیں توڑا اور تم نے کیوں توڑا؟ ایاز نے پینسٹھ وزیروں کو جو جواب دیا، اس کو مولانا جلال الدین رومی اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں ؎

گفت ایاز اے مہترانِ نامور
امرِ شہ بہتر بقیمت یا گُہر

ایاز غلام نے کہا: اے معزز وزیرو! تم مجھے کافر بنا رہے ہو؟ میں نے مانا کہ خزانے میں ایسا موتی نہیں ہے، لیکن بتاؤ! شاہی حکم زیادہ قیمتی ہے یا یہ موتی زیادہ قیمتی ہے؟

مان لو یہ عورتیں حسین موتی ہیں لیکن خدا قرآن میں حکم دے رہا ہے کہ اے

ایمان والو! میرے حکم کا پتھر میرے موتیوں پر مار دو، ان کو مت دیکھو، نگاہ نیچی کرلو، ان سے بلا ضرورتِ شدیدہ باتیں مت کرو اور جب بات کرو تو لچک دار آواز میں باتیں مت کرو، صرف ضرورت کی بات کرو، بالقصد التذاذِ کلام جائز نہیں، بے ضرورت بات ہی مت کرو، مجبوراً ضرورت کی بات کرلو، ٹکٹ لینا ہے تو نگاہ نیچی کر کے ٹکٹ لو، آواز بھی بھاری رکھو، ٹوپی بھی درست مت کرو، داڑھی پر بھی ہاتھ مت پھیرو۔

نفس کا ایک خفیہ کید

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا چور ہے کہ کسی حسین مرد یا عورت کو خوش کرنے کے لیے ٹوپی کو ذرا ٹھیک کرلیا، داڑھی کو درست کردیا یا چشمے کو ٹھیک کرلیا یہ سب مرض ہے فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ[۸] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جن کے دل میں بیماری ہوتی ہے، لوچ دار آواز سن کر ان میں طمع اور لالچ پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے حکم ہو رہا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو، ہماری ماؤں کو کہ جب صحابہ کوئی سوال کریں، تو اپنی طبعی لوچ دار آواز میں جواب مت دو، جو تمہاری فطری آواز ہے۔ نامحرم مردوں سے عورتوں کو آواز بھاری کر کے بولنا چاہیے۔ اللہ اکبر! صحابہ کے لیے اور ازواجِ مطہرات کے لیے یہ حکم نازل ہو رہا ہے، جن کے درمیان جبرئیل علیہ السلام اُتر رہے ہیں، جہاں قرآن نازل ہو رہا ہے وہاں تو اتنی احتیاط اور آج لوگ کہتے ہیں کہ مولانا صاحب! ہمارا دل صاف ہے اور نظر پاک ہے، یہ جتنے مُلّا نگاہ بچاتے ہیں یہ سب کمزور دل کے ہیں، ایک ہم ہیں کہ آنکھیں پھاڑ کے دیکھتے ہیں اور ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہ سب جھوٹ ہے۔

ایم ایس سی کا ایک طالبِ علم جو مجھ سے بیعت ہے، اس نے مجھ سے کہا کہ میری پروفیسر صاحبہ جب پڑھاتی ہیں، تو مجھ سے کہتی ہیں کہ آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھو۔ تم کیسے آدمی ہو؟ ہم تم کو جغرافیہ اور تاریخ اور نجانے کیا کیا پڑھا رہے ہیں اور تم نگاہ نیچی کیے ہوئے ہو؟ میری طرف آنکھ کھول کر دیکھو گے تو زیادہ سمجھ میں آئے گا۔ میں تو یہی کہتا ہوں

۸؎ الاحزاب:۳۲

کہ کاش! ان پاگلوں کو اللہ تعالیٰ عقل عطا فرمائے جو لڑکوں کو پڑھانے کے لیے عورتیں رکھتے ہیں اور لڑکیوں کو پڑھانے کے لیے مرد رکھتے ہیں یعنی دونوں طرف سے بھیڑیے، بھیڑیے کو کہو کہ بکری کو سلامت رکھنا، حفاظت سے رکھنا۔ بھلا وہ حفاظت سے رکھے گا؟ ایک گھوڑا بھوکا ہے، اس کے سامنے گھاس رکھ دو اور کہو خبر دار! گھاس کو سلامت رکھنا، تم ایک ولی اللہ کے گھوڑے ہو، تمہارے کانوں میں رات دن ذکر و تلاوت کی آوازیں آتی ہیں۔ گھوڑے نے بھی کہا ہاں۔ کہا کہ تمہارے مالک صاحب تہجد پڑھتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں اچھا تو لا الٰہ الا اللہ کی ضربوں کی آوازیں بھی آتی ہیں؟ گھوڑے نے کہا، جی ہاں اس نے کہا: اچھا اس گھاس کو مت کھانا۔ گھوڑے نے کہا کہ گھاس سے محبت کروں گا تو کھاؤں گا کیا؟

تو میرے دوستو! دیکھو! ایاز نے حقِ غلامی ادا کر دیا۔ مولانا رومی آگے فرماتے ہیں ؎

نقشِ حق را ہم بہ امرِ حق شکن
بر زُجاجۂ دوست سنگِ دوست زن

دوست کا پتھر دوست کے شیشے پر مار دو۔ شیطان کتنا ہی کہے ارے ایسی پیاری شکل ہے اس سے بھاری آواز میں رُکھائی سے کیسے باتیں کروں؟ اس سے نرمی سے بات کرنی چاہیے، ورنہ لوگ کہیں گے کہ ملّا بد اخلاق ہوتے ہیں، لیکن مولانا رومی فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ؎

بر زُجاجۂ دوست سنگِ دوست زن

دوست کے شیشے پر دوست ہی کا پتھر مارو۔

دلِ شکستہ کی دولتِ قرب

اگر وہ حکم دیتے کہ دیکھ لو تو ہم دیکھ لیتے، لیکن ان کا حکم یہی ہے کہ مت دیکھو، چاہے ان کا دل ٹوٹے چاہے تمہارا دل ٹوٹے۔ دونوں موتی ہیں، تمہارا دل ٹوٹ گیا تو اللہ کے حکم سے موتی ٹوٹ گیا، لیکن ٹوٹے ہوئے دل میں اللہ ہوتے ہیں، اسی لیے اس کو جلد ترقی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس کا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے خدا اس دل میں ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے شہوت کے یہ تقاضے پیدا کیے اور ان حسینوں کو ہمارے سامنے بکھیر دیا اور بتا دیا کہ ان سے نگاہ بچالو۔ یہ دل توڑنے ہی کے لیے تو ہے۔ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آیا، کاش! کہ آپ لوگ

www.khanqah.org

اس شعر کی اردو سمجھ لیتے، کیوں کہ اس شہر میں ”بابا تم کدھر جائے گا“ والی اردو ہے اس لیے ڈر بھی لگتا ہے، مگر کوشش کریں گے تو سمجھ لیں گے۔ شاعر اصغر گونڈوی جگر کا استاد کہتا ہے کہ ؎

لذتِ دردِ خستگی دولتِ دامنِ تہی

توڑ کے سارے حوصلے مجھ کو یہ اب صلہ دیا

لذتِ دردِ خستگی یعنی بھنا ہوا دل، خدا کے عشق سے جلا ہوا دل، اس کو دردِ دل اور دردِ خستگی کہتے ہیں، یہ اللہ والوں کی دولت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی تمام خواہشات کو توڑ دیتے ہیں پھر جب دل ٹوٹ جاتا ہے، تو اس ٹوٹے ہوئے دل میں جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ حدیث ہے:

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ[۹]

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے، اس کو موضوعات میں شامل نہیں کیا کہ جس کا دل اور آرزو ٹوٹ جائے اور حسرت بھری آہ نکل جائے کہ کوئی آرزو پوری نہیں ہوئی، اب ہائے ہائے کر رہا ہے، اسی ٹوٹے ہوئے دل میں اللہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ٹوٹے ہوئے دل کا انتظام کیا ہے، جبھی ہمارے اندر ایسے تقاضے رکھے ہیں۔ اگر مجاہدہ شدید ہے تو انعام بھی تو بہت بڑا ہے، ایسا انعام ہے کہ جس دن اللہ مل گیا تمام مملکت و سلطنت سب بھول جاؤ گے، سورج اور چاند کی روشنی کو بھول جاؤ گے۔ جو سورج اور چاند کو روشنی کی بھیک دیتا ہے، تو جس کے دل میں وہ خود آجائے تو اس دل کے عالم کا کیا عالم ہو گا؟ خواجہ صاحب نے کیا پیارا شعر فرمایا ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمعِ محفل کی

پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

یہ کون ذات مرے دل میں آ گئی؟ آج اللہ دل میں آیا ہے تو سارا عالَم بے نور معلوم ہو رہا ہے، سورج اور چاند کی روشنی پھیکی معلوم ہو رہی ہے۔

ذکر اللہ سے روحانی ترقی کی مثال

اس لیے کہتا ہوں کہ دفتروں سے چھٹی پا کر، اپنی دوکانوں سے چھٹی پا کر، کاروبار کی

---

۹ التشرف بمعرفة احاديث التصوف: ۱۶۳، المكتبة المظهرية، كراتشي

مصروفیات سے چھٹی پا کر اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر دس منٹ اللہ کے پاس بیٹھ جاؤ۔

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دل نشیں ہوتی

لیکن گھر سے نہ بھاگو، گھر ہی میں رہو مگر مصلیٰ بچھالو، کعبہ رُو ہو جاؤ تا کہ کوئی تمہیں بلا نہ سکے، دس منٹ تنہائی میں اللہ کے ساتھ رہنے کی عادت ڈالو اور اللہ کا نام لے کر دیکھو کہ کیا ملتا ہے؟ مگر آہستہ آہستہ ملتا ہے، جیسے بچہ روزانہ بڑھتا ہے لیکن پتا نہیں چلتا۔ اب اگر کوئی روزانہ اپنے بیٹے کو فیتہ لگا کر ناپے کہ آج کتنا بڑھا، آج کتنا بڑھا تو کچھ فرق نہیں معلوم ہو گا، لیکن چھ مہینے بعد ناپے تو فرق پتا چل جائے گا۔ اسی طرح اللہ کو یاد کرنا شروع کر دو، ان شاء اللہ سال چھ مہینے کے بعد معلوم ہو گا کہ دل کی دنیا بدلی ہوئی ہے، اللہ کا نور دل میں آ رہا ہے اور ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔

وہ ان کا رفتہ رفتہ بندۂ بے دام ہوتا ہے
محبت کے اسیروں کا یہی انعام ہوتا ہے

بندہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نوافل کے ذریعے میرے اتنے مقرب ہو جاتے ہیں کہ میں ان کی آنکھ ہو جاتا ہوں وہ میری آنکھ سے دیکھتے ہیں، میں ان کے کان ہو جاتا ہوں وہ میرے کان سے سنتے ہیں، میں ان کا ہاتھ بن جاتا ہوں وہ میرے ہاتھ سے پکڑتے ہیں، کیا شان ہوتی ہے اولیاء اللہ کی!

موت کے وقت دنیاداروں کی بے کسی

جتنے لوگ آج کما کر مونچھوں پر تاؤ دے رہے ہیں اور کئی کئی بلڈنگ بنا کے بیٹھے ہوئے ہیں، مرنے کے بعد جب جنازہ اُترے گا تب ان سے پوچھو کہ سیٹھ صاحب زمین کے نیچے کتنا مال لائے ہو؟ کتنے ٹیلی فون سیٹ لائے ہو؟ کتنے صوفے اور کتنے قالین لائے ہو؟ اور بعض لوگ جو امیر ہیں واقعی قالین بچھائے ہوئے ہیں، لیکن بعض لوگ جو فقیر مسکین ہیں، دنیاوی حالت اچھی نہیں ہے، وہ اپنی آخرت بھی اچھی بنانے کی فکر نہیں کرتے، نامحرموں کو دیکھ کر حرام نظروں کے ذریعے آنکھوں میں حرام لذتوں کے شامی کباب گھسیڑ رہے ہیں، وہی

سی آر، ٹی وی اور فلمی گانے سننے جیسے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ میرے دوستو! اپنی موت کے وقت کو ہر وقت سامنے رکھو۔ حدیثِ پاک میں ہے:

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتَ[۱]

کہ کثرت سے موت کو یاد کرو۔ اس سے آنکھیں کھل جائیں گی، دل کا زنگ دور ہو جائے گا، دنیا کی حقیقت سمجھ میں آجائے گی۔ میرا شعر ہے ؎

یوں تو دنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دنیا کی حقیقت کھل گئی

دنیاوی محبت کی بے ثباتی

جب قبر میں جنازہ اُترا تو معلوم ہوا بیوی صاحبہ جن کے لیے مرتے تھے، وہ بھی دوسری شادی کی فکر میں لگ گئیں اور دوسرے شوہر کی تلاش شروع ہو گئی۔

لاہور میں ایک صاحب میرے پیر بھائی ہیں، بہت بڑے افسر ہیں، ان کے اولاد نہیں تھی مگر بیوی سے شدید محبت تھی، اتنی محبت تھی کہ بیوی کے مرنے کے بعد روزانہ ایک گھنٹہ قبر پر بیٹھتے تھے تب جا کر ان کو تسلی ہوتی تھی، گھر میں کوئی اولاد تو تھی نہیں، تو بیوی کی چادر، اس کا بستر، اس کی ایک ایک چیز ویسے ہی بچھائے ہوئے تھے، روزانہ اس کے بستر کو دیکھ کر، اس کی چارپائی کو دیکھ کر اور اس کے کپڑوں کو دیکھ کر اسے یاد کرتے تھے۔ بزرگوں نے مشورہ دیا کہ دوسری شادی کر لو، شریعت میں جائز ہے، اللہ کی شان کہ چالیس سال کی ایک لڑکی ایم ایس سی پاس ہندوستان سے آئی، اِن کی رشتہ دار تھی، بہرحال اس خاتون سے رشتہ لگ گیا، شادی ہو گئی۔

اب میں نے ان سے پوچھا، تو معلوم ہوا کہ اب قبر پر نہیں جاتے اور بستر کی چادر بھی بدل گئی، اب وہ نئی بیوی کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ صاحب بڑی اچھی لڑکی مل گئی، اس کے سارے بال کالے ہیں جبکہ میں ساٹھ سال کا ہوں اور وہ میری اتنی خدمت کرتی ہے، حالاں کہ

[۱] جامع الترمذی: ۵۷/۲، باب ماجاء فی ذکر الموت، ایچ ایم سعید

ایم ایس سی ہے اور اس میں یہ خوبی ہے وہ خوبی ہے۔ یعنی اب ان کا عالم بالکل ہی بدل گیا، لہٰذا دوستو! دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے، اللہ راضی ہے تو بیٹا بھی ساتھ دیتا ہے، اللہ راضی ہے تو بھائی بھی کام آجاتا ہے، بلکہ غیر بھی کام آجاتے ہیں اور جب خدا ناراض ہوتا ہے تو شوہر سے بیوی کو پٹوا دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا ایک شعر خوب غور سے سن لو۔

نگاہِ اقرباء بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اِک اُن کی کیا بدلی کہ کُل سارا جہاں بدلا

خدا کے مجرم کی کوئی پناہ گاہ نہیں

اللہ ناراض ہوگا تو دنیا میں کہیں چین نہ پاؤ گے۔ پاکستان کی حکومت سے کوئی بغاوت کرتا ہے تو رات کو بارہ بجے پاسپورٹ بنوا کر داڑھی منڈا کر یا نقلی داڑھی لگا کر شکل بدل کر، مجرمانہ طور پر برطانیہ یا افریقہ میں سیاسی پناہ لے لیتا ہے، کینیڈا یا سوئٹزرلینڈ میں سیاسی پناہ لے لیتا ہے اور بعض ممالک تو پناہ دینے کے لیے ہاتھ کھولے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہی یہ ہیں کہ کوئی کسی ملک میں جرم کرے، وہ آجائے ہمارے یہاں پناہ لے لے، اس کا نام ہے سیاسی پناہ، لیکن اللہ کو ناراض کر کے کہاں جاؤ گے؟ جہاں جاؤ گے ان کی زمین ہے، جہاں جاؤ گے ان کا آسمان ہے، جہاں جاؤ گے ان کا ملک ہے، لہٰذا خدا جب ناراض ہو جائے تو کہیں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

مقرب بندوں سے اللہ کی محبت کی ایک علامت

اپنے کو کافروں پر قیاس مت کرو، ان کو تو ڈھیل ملی ہوئی ہے، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ چوں کہ اپنا بنا چکے ہیں، اس لیے فوراً تنبیہ کرتے ہیں۔ جو جتنا زیادہ مقرب ہوتا ہے، جو جتنا زیادہ اللہ کا پیارا ہوتا ہے اتنی ہی جلد اس کو سزا دیتے ہیں جیسے کسی کا بہت پیارا بیٹا ہو، اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ میرا یہ بیٹا عاشق مزاج ہے، اگر اس کی شادی خوبصورت لڑکی سے ہو گئی، تو پھر یہ اُسی کے پاس رہے گا، مجھے پوچھے گا بھی نہیں، تو باپ شادی کرنے میں اس بات کی رعایت رکھے گا اور کم خوبصورت لڑکی لائے گا، تو اللہ تعالیٰ بھی جسے اپنا بہت خاص بنانا چاہتے ہیں اسے مٹی کے کھلونوں میں مشغول نہیں ہونے دیتے۔ تو جو جتنا زیادہ پیارا ہوتا ہے اس کو خطاؤں پر

www.khanqah.org

جلد سزا ملتی ہے اور جو جتنا نالائق اور غفلت زدہ ہوتا ہے اس کو اللہ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے، اس کو سزا دینے میں دیر کی جاتی ہے، جلد سزا ملنا علامت ہے تقرّب کی۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک ولی اللہ نے جنگل میں جا کر کہا کہ خدا کی قسم! جب تک درخت سے پھل نہیں گرے گا میں خود توڑ کر نہیں کھاؤں گا۔ خواہ مخواہ یہ قسم اُٹھالی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ بلاوجہ قسم مت اُٹھاؤ، اللہ میاں کو زیادہ بہادری مت دِکھاؤ، اللہ میاں کے سامنے کمزور بننے میں فائدہ ہے۔

زور را بگذار زاری را بگیر

طاقت کو چھوڑو، اللہ کے دربار میں رونے سے کام چلے گا، مگر ان ولی اللہ کے دماغ میں شیطان نے کچھ ڈال دیا کہ ذرا اکڑ فوں بھی دکھاؤ کہ اللہ میاں میرا توکل بہت قوی ہے، اگر آپ پھل گرائیں گے تو کھاؤں گا، اگر آپ نہیں گرائیں گے، ہواؤں کو روک لیں گے، تو میں ایسے ہی پڑا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ اچھا مجھ کو بہادری دکھا رہے ہو، عاجزی سے دو روٹی نہیں مانگ رہے ہو، حالاں کہ تم ایک ایک دانہ کے محتاج ہو۔ حدیثِ پاک میں دستر خوان اُٹھانے کی دعا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ

غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا[11]

تعریف ہے اس اللہ کی جس نے مجھے کھانا کھلایا، میں دستر خوان کو ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کر رہا ہوں اور نہ میں اس سے مستغنی ہوں، میرے رب! میں دستر خوان کا محتاج ہوں کہ دوسرے وقت بھی ضرورت پڑے گی، عارضی طور پر یہ دستر خوان اُٹھا رہا ہوں۔ تو جنگل میں ان ولی اللہ کے ساتھ یہ ہوا کہ جب تین دن بھوک لگی اور کوئی پھل ٹوٹ کے نہیں گرا تو خود سے پھل توڑ کے کھالیا، قسم توڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ڈاکو اندھیری رات میں آئے اور ان کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا، حالاں کہ ڈاکو ان کو جانتے تھے کہ یہ بزرگ ہیں، لیکن اندھیرے میں پہچانا نہیں، ورنہ ان کی بزرگی کے وہ بھی معتقد تھے۔ صبح تھانے میں اطلاع ہوئی، تھانیدار بھی مرید تھا، اس نے ڈاکوؤں کو جمع کیا اور ہنٹر اٹھایا اور کہا کہ حضرت! حکم دیں تو آج تو

---

[11] صحیح البخاری: ۸۲۰/۲ (۵۴۷۵)، باب ما یقول اذا فرغ من طعامہ، المکتبۃ المظہریۃ

ان کی کھال اُتار دوں، انھوں نے میرے شیخ اور بزرگ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا۔ شیخ نے کہا۔

می شناسم من گناہ خویش را
خوب می دانم سبب ایں نیش را

میں اپنے گناہ کو خوب سمجھتا ہوں، یہ جو بچھو نے مجھے ڈنک مارا یعنی ڈاکوؤں نے جو مجھے ستایا، تو میں نے اپنے اللہ سے ایک عہد کیا تھا، اس عہد کو میں نے توڑ دیا، لہٰذا یہ اس کی سزا ہے، آپ ان کو چھوڑ دیں، معاف کر دیں، یہ ان کا قصور نہیں ہے۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے اور تقویٰ کے لیے صحبتِ اہل اللہ کی ضرورت ہے، ان کی برکت سے سمجھ ملتی ہے۔ یہ بات حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی نے فرمائی، اس لیے ان کی بات نقل کر رہا ہوں، یہ مال ابھی ملا ہے، لاہور میں تین دن کا اجتماع تھا، میں جمعہ کی شام کو گیا تھا اور کل گیارہ بجے آیا ہوں، تو وہاں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی جلال آباد سے تشریف لائے تھے، جلال آباد تھانہ بھون سے قریب ہے۔ حضرت کو میں نے تھانہ بھون میں بھی دیکھا تھا، یہ وہاں آئے اور تھانہ بھون میں حاجی امداد اللہ صاحب کے حجرے میں دو رکعت نماز پڑھی، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ اللہ والے کیسے برکت لوٹتے ہیں کہ بزرگوں کے مصلیٰ پر نماز پڑھنا بھی اپنے لیے برکت سمجھتے ہیں۔

تکبر کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ خطرناک ہے

تو حضرت نے فرمایا کہ اصلاح بغیر شیخ کے نہیں ہوتی، نہ عبادت سے ہوتی ہے، نہ علم سے ہوتی ہے، شراب چھوڑنا آسان ہے، کیوں کہ خاندان بھی طعنہ دے رہا ہے، محلے والے بھی طعنہ دے رہے ہیں، برادری بھی بائیکاٹ کیے ہوئے ہے کہ یہ شرابی ہے، لہٰذا شراب چھوڑنا آسان ہے۔ کبھی مخلوق کے ڈر سے یا خاندانی شرافت اور بدنامی کے خوف سے آدمی ظاہری گناہ چھوڑ دیتا ہے، لیکن تکبر کا نشہ، اپنے کو بڑا سمجھنے کا نشہ شراب سے زیادہ حرام ہے لیکن اس کا پتا خود اس کو نہیں ہوتا، وہ تو اہل اللہ ایکسرے کرتے ہیں، تب پتا چلتا ہے کہ اس کے اندر بڑائی کا نشہ آگیا ہے۔ یہ بات مسیح اللہ خان صاحب نے فرمائی کہ شراب حرام ہے، مگر تکبر

www.khanqah.org

اس سے زیادہ حرام ہے، کیوں کہ شرابی اپنے کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو کبھی شراب سے توبہ نصیب ہو سکتی ہے، لیکن تکبر والا مریض جب تک اہل اللہ کی صحبت نہیں پاتا، اسے اپنے مرض کا بھی پتا نہیں چلتا، وہ اپنے ہر قدم کو بالکل صحیح سمجھتا ہے۔ جتنا بھی ظلم کرے وہ سمجھتا ہے کہ سب صحیح ہے، جھوٹ بولو وہ بھی صحیح، کسی کی پٹائی کردو وہ بھی صحیح، کسی کے مال پر قبضہ کرلو سب جائز، لہٰذا تکبر کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ خطرناک ہے۔

انسانوں کو شیطان کے دو سبق

پھر مولانا مسیح اللہ خان صاحب نے بڑی عمدہ بات فرمائی کہ شیطان نے دو سبق دے دیے۔ شیطان مردود تو ہوا، لیکن قیامت تک کے انسانوں کو دو سبق دے گیا اور یہ سبق بھی قصداً نہیں دیے، ورنہ جو خود سراپا شر ہو اس سے خیر کی توقع کہاں! مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تکوینی طور پر اس کا شر انسانوں کے لیے خیر بن جائے۔ جیسے کوئی آدمی سنکھیا کھا کر مر جائے، تو دوسروں کو سبق مل جاتا ہے کہ بھئی ہم سنکھیا نہ کھائیں گے، حالاں کہ کھایا اس نے، مرا وہ، لیکن جب وہ سنکھیا سے مر گیا، تو سبق ملا کہ سنکھیا کھانا اچھا نہیں ہے، بُرا ہے۔ اسی طرح شیطان خود تو مردود ہوا لیکن اس سے انسانوں کو دو سبق مل گئے: ایک تو عبادت کرنے والوں کو سبق ملا کہ شیطان بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ دیکھو عبادت کا نشہ اگر تمھیں آگیا، تو مجھ سے زیادہ عبادت تمھاری نہیں ہو سکتی، شیطان نے لاکھوں سال عبادت کی ہے، ہزاروں سال تو آپ سنتے ہی رہتے ہیں۔

ہزاروں سال گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

لیکن لاکھوں کا لفظ مولانا کے منہ سے نکلا ہے کہ اے عبادت کرنے والو! اشراق، اوّابین اور تہجد پڑھ کر اور زیادہ تسبیح پڑھ کر اپنے کو بڑا نہ سمجھ لینا، میں نے بڑی عبادت کی تھی، لیکن تکبر کے نشے سے مردود ہوا ہوں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سب کو سکھا دیا کہ پڑھو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے۔ تو شیطان کا مردود ہونا ایک سبق تو عابدوں اور صوفیوں کو دے گیا، جو بڑی ضربیں لگاتے ہیں کہ اے عابدو! میں نے بڑی عبادت کی ہے، لیکن مجھے مربّی ومزکّی اور شیخ نہیں ملا، اس لیے میں مردود ہو چکا ہوں اور اے مولویو! تمھارے علم سے میرا علم زیادہ تھا، لیکن میرے سر پر مربی نہیں تھا، اس لیے میں مردود ہو گیا

ہوں۔ فرمایا کہ عابدوں کو بھی سبق دے دیا اور مولویوں کو بھی سبق دے دیا۔ مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی نے یہ دو جملے فرمائے کہ شیطان عالم بھی تھا، عابد بھی تھا، اس کا علم بہت زیادہ تھا، ہم لوگوں کو تو اپنے ایک نبی ہی کا علم پورا حاصل نہیں ہے اور اس کو تو تمام نبیوں کی شریعت کا علم تھا، پرانا پاپی ہے، بابا آدم سے لے کر آج بھی موجود ہے اور قیامت تک کی چھٹی لی ہوئی ہے۔ اس کو تو تمام نبیوں کی کلیات اور جزئیات سب زبانی یاد ہیں، لیکن اس کے باوجود مربّی و مزکّی نہ ہونے سے انا نہیں گئی، تو فرمایا کہ نفس مٹتا ہے کسی شیخِ کامل کی صحبت سے، ورنہ عبادت سے اور نشہ آتا ہے۔ اور فرمایا کہ شراب کا نشہ تو حرام ہے ہی لیکن تکبر کا نشہ اس سے زیادہ حرام ہے، کیوں کہ شراب کا نشہ چھوٹ جاتا ہے، اس کو بُرا کہنے والے بہت لوگ ہوتے ہیں کہ بھئی کیا کر رہے ہو، خاندان کی عزت ڈبو رہے ہو؟ مگر کبر پر کوئی طعن و تشنیع کرنے والا نہیں ہوتا، اندر ہی اندر اس کے کبر کا نشہ اسے مست رکھتا ہے۔ ہر بات میں وہ اپنے لیے دلیل گھڑ لیتا ہے، قرآن و حدیث کے رنگ میں اپنے کبر کو فٹ کر لیتا ہے کہ یہ غیرتِ دینی ہے، اس لیے مجھے غصہ آرہا ہے، ہر چیز پر اس کو آیت یاد آتی ہے، اپنی ہر نالائقی پر قرآن و حدیث سے دلیلیں لے کر آتا ہے۔

حکیم الامت سے ایک عالم نے کہا کہ حضرت ہم بخاری پڑھاتے ہیں، تو کیا ہم خود اپنا تزکیہ نہیں کر سکتے؟ کیا بخاری شریف سے تزکیہ نہیں ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ مولانا! یہ بتائیے کہ تزکیہ فعل لازم ہے یا فعلِ متعدی؟ کہا میں سمجھ گیا حضرت! تزکیہ فعلِ متعدی ہے، فعل لازم تو اپنے فاعل پر تمام ہو سکتا ہے، لیکن فعل متعدی اپنے فاعل پر تمام نہیں ہو سکتا۔ تزکیہ کا فعل تام نہیں ہو سکتا جب تک کوئی مزکّی نہ ہو۔

تعلیمِ قرآن و حدیث اور تزکیہ... نبوت کے تین مقاصد

نبوت کے مقاصد کے لیے تین جملے قرآن میں موجود ہیں: نمبر ۱۔ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ اس سے مکاتبِ قرآنیہ کا ثبوت ملتا ہے کہ وہاں قرآنِ پاک کے الفاظ کی حفاظت کی جاتی ہے، حافظ بنایا جاتا ہے، تلاوت کی جاتی ہے، آدابِ تلاوت، تجویدِ حروف اور معرفتِ وقوف بتائے جاتے ہیں۔ نمبر ۲۔ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ [۱۲] نبی کتاب کی تعلیم

[۱۲] البقرۃ: ۱۲۹

دیتے ہیں تو اس میں دار العلوم وغیرہ سب داخل ہیں، جہاں قرآن کے معانی، تفاسیر، شروحاتِ حدیث وغیرہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔

ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ جلدوں میں بخاری کی شرح لکھی ہے۔ تصوف ہر کتاب میں موجود ہے، مگر تصوف میں چوں کہ پابندی ہے اور عمل کرنا پڑتا ہے، اس لیے اہلِ علم گھبراتے ہیں، ورنہ ان کے پاس کوئی دلیل اس سے جان چھڑانے کی نہیں ہے۔ تصوف کے تمام مسائل قرآن وحدیث اور تفسیر میں موجود ہیں۔

شعبۂ تزکیۂ نفس کی اہمیت

تو نبوت کے مقاصد میں سے قرآن کے مدرسے ہوگئے، تعلیمِ کتاب یعنی علومِ دینیہ کے لیے دارالعلوم ہیں، مگر یُزَکِّیۡهِمۡ کا مدرسہ کہاں ہے؟ یہ خانقاہیں تزکیۂ نفس کے لیے ہیں، پہلے یہ تینوں ساتھ تھے، لیکن اب فردِ واحد سے اتنا کام نہیں ہوسکتا کہ وہ تجوید بھی پڑھائے، حفظ بھی کرائے، قرآن کی تفسیر واحادیث بھی پڑھائے، فتوے بھی دے اور لوگوں کی اصلاح کا کام بھی کرے، کیوں کہ آج کل انسان کے قویٰ ضعیف ہوگئے ہیں۔

اور شعبۂ تزکیۂ نفس کا کام کیا ہے؟ کسی اللہ والے سے اپنے نفس کی اصلاح کرانا۔ یہی چیز تھی جس کے لیے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسبِ فیض کیا اور یہی چیز تھی جس کے لیے تبلیغی اسفار کے بعد حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اکابر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جیسے سو میل کار چلے تو گرد وغبار صاف کرانے کے لیے گیرج میں ٹیوننگ کرانا ضروری ہوجاتا ہے، اسی طرح لوگوں سے میل جول سے نفس پر بھی گرد وغبار لگ جاتا ہے، نفس میں کچھ بڑائی آجاتی ہے کہ میں نے دین کے لیے یہ کیا اور اتنے آدمی میرے ہاتھ پہ مسلمان ہوئے، مجھ سے اتنا کام ہوا، اس لیے اللہ والے سکھاتے ہیں کہ نیکی کر کنویں میں ڈال یعنی نیکی پر نظر نہ ہو، نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہو، اس کے لیے نفس کو مٹانا ضروری ہے، یہ خود سے نہیں مٹتا جب تک کہ کوئی مٹانے والا نہ ہو۔ علم اور عبادت یہ دو چیزیں نفس کو اور بڑھادیتی ہیں۔ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب نے یہی بتایا کہ علم اور عبادت کے نشے سے نفس نہیں مٹتا بلکہ نفس اور پھولتا ہے، یہ صرف شیخ کی

www.khanqah.org

صحبت سے مٹتا ہے۔ جب ایک بندہ ایک بندے کی غلامی کرتا ہے، تو نفس کو بہت شاق گزرتا ہے کہ میں بھی بندہ یہ بھی بندہ، اب اگر شیخ نے کسی مصلحت کی وجہ سے کہہ دیا کہ آج کل نوافل مت پڑھنا، تو دل چاہے یا نہ چاہے شیخ کی بات ماننی ہے۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک عالم کو ان کے شیخ نے فتویٰ دینے، وعظ کہنے اور درسِ بخاری سے منع کر دیا اور کہا کہ آپ فتویٰ نہیں دے سکتے، وعظ نہیں کہہ سکتے، حدیث نہیں پڑھاسکتے۔ شیخ نے اندازہ لگالیا تھا کہ مرید کے نفس میں بڑائی آگئی ہے۔ محدثِ عظیم ملّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں جو گیارہ جلدوں میں ہے، یہ واقعہ لکھا ہے کہ اس وقت کے بعض علماء نے اس شیخ کے کفر کا فتویٰ دے دیا، لیکن ایک سال کے بعد جب شیخ کو محسوس ہو گیا کہ اب مرید کا نفس مٹ گیا ہے تو بیان کرنے کی اجازت دے دی، تو پہلے ہی وعظ سے سامعین کا جتنا مجمع تھا سب صاحبِ نسبت ہو گیا، حالاں کہ اس سے پہلے دس سال تک جگہ جگہ تقریر کی تھی، مگر دس سال تک وہ نفع نہیں ہوا جو ایک سال شیخ کے یہاں نفس کو مٹانے اور رگڑا لگانے کے بعد ہوا۔

نفس کی حیلولت کی تمثیل

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفیض ہے یعنی چاند کی روشنی ذاتی نہیں ہے، سورج کی شعاعوں سے چاند روشن ہے، لیکن بیچ میں زمین کی حیلولت ہے، جتنا زمین کا گولا چاند اور سورج کے بیچ میں آتا جاتا ہے چاند بے نور ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس دن زمین کا گولا چاند اور سورج کے درمیان میں پورا آجاتا ہے، چاند میں ایک ذرّہ روشنی نہیں رہتی اور زمین کا کُرہ چاند اور سورج کے درمیان سے جتنا جتنا ہٹتا جاتا ہے، اتنا ہی چاند روشن ہوتا جاتا ہے۔ تو نفس کا گولا جو ہے یہی اصل میں حجاب ہے، ورنہ دل چودھویں رات کے چاند کی طرح اللہ کے نور سے روشن ہو جائے، اسی لیے نفس کے گولے کو مٹانے کی ضرورت ہے، اگر کسی نے نوّے فیصد نفس مٹا دیا، لیکن اگر دس فیصد بھی نفس زندہ ہے تو قلب کا دس فیصد حصہ بے نور رہے گا، جس طرح چاند کا اتنا کنارہ بے نور ہوتا ہے جتنے میں زمین کا گولا حیلولت کرتا ہے۔ اور جنہوں نے نفس کے گولے کو پورا مٹا دیا یعنی نفس کی حیلولت ہی ختم کر

دی، تو ان کے دل کا چاند نسبت مع اللہ کے نور سے سو فیصد روشن ہو گیا، وہ سراپا نور بن گئے اور ان کی صحبتوں میں آپ دیکھیے کیا اثرات ہیں۔ تو درس و تدریس و وعظ سب کاموں کے ساتھ افنائے نفس کی ضرورت ہے۔ اس بات کو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بھئی بغیر شیخ کے نہ گناہ چھوٹتے ہیں اور نہ تقویٰ حاصل ہوتا ہے، چاہے کتنے ہی وظیفے پڑھ لو لیکن گناہ نہیں چھوٹتے۔ تقویٰ کا راستہ اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تقویٰ کی حیات تم کو ملے گی اہل اللہ کی صحبت سے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ [۱۳] سے اور صادقین کے معنیٰ متقین کے ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ صادق کے معنیٰ متقی کہاں ہیں؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی تفسیر فرمادی:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ [۱۴]

جو لوگ صادق ہیں یہی متقی ہیں۔ دونوں میں کلّی متساوین کی نسبت ہے، ہر صادق متقی اور ہر متقی صادق ہوتا ہے۔ پس متقی کے ساتھ بیٹھنے سے اس کے قلب کے تقویٰ کا اثر اس پر پڑتا ہے، ورنہ دیکھا گیا ہے کہ ویسے تو عبادت میں بہت محنت کی، اسّی برس تک وعظ کہا، اسّی برس تک بخاری پڑھائی، اسّی برس تک اذان دی، مگر جب گناہ کا معاملہ آیا تو کہیں حُبِّ جاہ میں مبتلا ہو گیا، کہیں بد نگاہی میں مبتلا ہو گیا، لیکن وہ لوگ جو اہل اللہ کی صحبت اُٹھائے ہوئے ہیں، اُن کو آپ مقامِ تقویٰ پر فائز پائیں گے۔ بہر حال جاہی اور باہی دونوں روحانی بیماریوں سے بچنے کے لیے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے سوا چارہ نہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی تفسیر فرمائی ہے کہ متقین کے ساتھ کتنا رہو؟ فرماتے ہیں خَالِطُوْهُمْ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَهُمْ [۱۵] اللہ والے اور متقی بندوں کے ساتھ اتنا رہو حَتّٰی تَکُوْنُوْا مِثْلَهُمْ کہ تم ان جیسے ہو جاؤ یعنی تقویٰ کی ویسی ہی کیفیت پیدا ہو جائے، مگر اس کے لیے وقت چاہیے۔

۱۳؎ التوبۃ:۱۱۹

۱۴؎ البقرۃ:۱۷۷

۱۵؎ روح المعانی:۱۱/۵۶، التوبۃ (۱۱۹)، دار احیاء التراث، بیروت

مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

مَا فُضِّلَ اَبُوْ بَكْرٍ النَّاسَ بِكَثْرَةِ عِبَادَةٍ وَّلَا بِكَثْرَةِ فَتْوٰى وَلَا بِكَثْرَةِ رِوَايَةٍ وَّلٰكِنْ بِشَيْءٍ مَّا وُقِّرَ فِيْ صَدْرِهٖ[16]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ زیادہ نفلیں پڑھی تھیں، نہ زیادہ روایات نقل کی تھیں، نہ ان کی دیگر نفلی عبادات بہت زیادہ ہیں، لیکن ان کے سینے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک عظیم الشان درد تھا کہ ہر وقت اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر رسولِ خدا پر فدا کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے پاس رہنے سے کیا ملتا ہے؟ علماء بھی کہتے ہیں کہ صاحب! درسِ نظامی میں دس سال لگا کر ہم پاس ہوئے ہیں، اب مزید چالیس دن، چھ مہینے کسی اللہ والے کے پاس کیوں لگائیں؟ لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ تمہارے وہ دس سال جبھی کامیاب ہوں گے جب اہل اللہ کی صحبت مل جائے گی، ورنہ منبر ہو گا، تقریر ہو گی، مگر اس تقریر میں روح نہیں ہو گی، علم کا گولا ہو گا، مگر اس میں اللہ کے دردِ محبت کا رس نہیں ہو گا۔ اصل میں رس گلہ مرکب لفظ ہے رس اور گولا سے، اب اگر خالی گولا ہو اور اس میں رس نہ ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ صاحب بڑے خشک ملّا ہیں۔

آپ علماء لوگ خود کہتے ہیں کہ صاحب آج کل ملّاؤں کی قدر نہیں ہے۔ تو چوں کہ تم خالی گولا کھلا رہے ہو جس میں رس نہیں ہے، اس لیے لوگوں کو مزہ نہیں آتا، ورنہ رس گلہ ذرا مرکب کھلاؤ پھر دیکھو امت تمہارے پیچھے کیسے نہیں پھرتی! امت تمہاری جوتیاں سر پر رکھے گی ان شاء اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے اکابر جو ابھی زندہ ہیں مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا ابرار الحق صاحب یہ حضرات جہاں بیٹھتے ہیں، آپ دیکھتے ہیں وہاں سب لوگ ان کو گھیر لیتے ہیں۔ کیوں؟ کیوں کہ وہ رس گلہ کھلاتے ہیں، جو مدرسوں سے خالی گولا پڑھ کے آتے ہیں اور اللہ کی محبت کا رس لیتے نہیں، وہ اعلان تو کرتے ہیں کہ آج رس گلہ کھلائیں گے، لیکن جب کھلاتے ہیں تو اس میں رس نہیں ہوتا، اس لیے لوگ کہتے ہیں کہ بھئی مولویوں کے

---

[16] مرقاۃ المفاتیح: ۱۱/۲۷۴، باب مناقب العشرۃ المبشرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

پاس کیا رکھا ہے؟ یہ بڑے خشک ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کی صحبت پر میرا ایک شعر ہے ؎

دل چاہتا ہے ایسی جگہ میں رہوں جہاں
جیتا ہو کوئی درد بھرا دل لیے ہوئے

جس کے دل میں خدائے تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایک ذرّہ درد عطا فرمایا، ایسے اللہ والے کے ساتھ ایک رات بھی رہ کر دیکھ لو، پھر معلوم ہوگا کہ اس کے پاس کیا چیز ہے۔

تفسیر آیت وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ...الخ

یہی وہ دردِ دل ہے جس کے لیے اہل اللہ نے بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں، جان کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ اس کو حق تعالیٰ نے عاشقانہ انداز سے اپنے عاشقوں کے لیے فرمایا وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ ان کا کوئی جرم نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو آگ میں ڈالا جارہا ہے، مگر ان کا ایک جرم ہے اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ[ك] یہاں ان کی محبت کو بظاہر جرم سے تعبیر کیا، لیکن اس کا نام بلاغت میں تَاکِیْدُ الْمَدْحِ بِمَا یَشْبَہُ الذَّمِّ ہے یعنی مدح کو مؤکد کرنا اس عنوان سے کہ جو ذم کے مشابہ ہو، بُرائی کے مشابہ ہو، یعنی حقیقتاً تعریف کی گئی ہو، مگر معلوم ہوتا ہو کہ بُرائی کی جارہی ہے۔

پس حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ کوئی جرم انہوں نے نہیں کیا مگر ایک جرم ہے۔ بتائیے یہ عنوان کیسا ہے؟ بظاہر تو گھبرانے والا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چوری وغیرہ کی ہے، مگر اس جرم کی تعبیر ایسی کی ہے کہ وہ بتادیتی ہے کہ یہ جرم نہیں ہے اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ان کا جرم صرف یہ ہے کہ یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ تو یہ مدح ہے یا ذم ہے؟ علمائے بلاغت نے اس کا نام رکھا ہے تَاکِیْدُ الْمَدْحِ بِمَا یَشْبَہُ الذَّمِّ یعنی مدح کو مؤکد کرنا اس عنوان سے جو ذم کے مشابہ ہو، یعنی بظاہر ذم ہو اور حقیقتاً اس میں مدح کو نہایت مؤکد اور متحقق کردیا گیا ہے۔ اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے تَاکِیْدُ الذَّمِّ بِمَا یَشْبَہُ الْمَدْحَ یعنی بُرائی کو مؤکد کیا جاتا ہے تعریف کے ساتھ، جیسے کہ فرعون سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے:

[ك] البروج: ۸

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ [۱۸]

جہنم کا مزہ چکھ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ تو بہت زبردست طاقت والا بنتا تھا اور بڑا معزز تھا تو عزیز اور کریم اس کے لیے بھی لائے ہیں جیسے کوئی کسی کو جوتے سے پیٹ رہا ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہو کہ آپ بڑے معزز آدمی ہیں اور پھر ایک جوتا لگایا اور کہا کہ آپ بہت معزز آدمی ہیں اور ایک جوتا اور لگایا، جوتے پر جوتا مار رہا ہے، مگر زبان سے یہ کہہ رہا ہے کہ آپ تو بہت معزز آدمی ہیں، تو اس کا نام ہے تَاكِيْدُ الذَّمِّ بِمَا يُشْبِهُ الْمَدْحَ یعنی مدح کے مشابہ اس ذم کو مؤکد کر رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں عزیز اور حمید دو صفات بیان فرمائیں کہ یہ میرے عاشق لوگ جو ہیں اُن کا ایک ہی جرم ہے کہ یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اصل میں یہاں ایمان بمعنٰی محبت کے ہے اور حمید کے معنٰی ہیں قابلِ حمد، اور حمد کی چار قسمیں ہیں: نمبر ۱ بندہ بندے کی تعریف کرے۔ نمبر ۲ بندہ خدا کی تعریف کرے۔ نمبر ۳ خدا بندے کی تعریف کرے۔ نمبر ۴ خدا خود اپنی تعریف کرے۔ دنیا میں حمد کی یہی چار صورتیں ہیں، پانچویں کوئی صورت نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی بھی تعریف ہوتی ہے سب ان ہی چار اقسام پر منقسم ہے اور بالآخر سب تعریفیں اللہ ہی کو پہنچتی ہیں۔ یہ چاروں قسمیں دراصل ایک اللہ ہی کی تعریف ہے۔ الحمدللہ کے معنٰی ہیں کہ سب تعریفیں خاص ہیں اللہ کے لیے۔ حمید بمعنٰی محمود ہے یعنی قابلِ تعریف ذات، یہ چاروں قسمیں خاص ہیں اللہ کے ساتھ، بندہ کہاں سے اپنی تعریف لائے گا؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ محبت کے قابل کوئی ہے بھی نہیں، کیوں کہ تم جتنی تعریفیں کرتے ہو وہ سب ہم تک پہنچتی ہیں، اگر تم کسی کی آنکھ کی تعریف کرتے ہو یا کسی کے بال کی تعریف کرتے ہو، کسی معشوق کے قد و قامت کی تعریف کرتے ہو اور اس کی قامت کو قیامت قرار دیتے ہو، تو اصل میں سب ہماری ہی تعریف ہو رہی ہے، کیوں کہ یہ سب قد و قامت ہم ہی نے تو بنایا ہے۔ اب قامت پر ذرا میرا ایک شعر سن لیجیے ؎

اُس کی قامت ہے یا قیامت ہے
اُس کو دیکھے گا جس کی شامت ہے

---

[۱۸] الدخان: ۴۹

یعنی ان پر وہی نظر ڈالے گا جس کی شامت آئی ہو گی۔ غرض ساری تعریفیں اللہ تک پہنچتی ہیں، تو معلوم ہوا کہ محبت کے قابل اللہ ہی کی ذات ہے، اگر تم آگ میں ڈالے گئے ہو، تو تم سے میری محبت کا حق پھر بھی ادا نہیں ہو سکتا اور ہم زبردست طاقت والے ہیں۔

شہادت......عاشقوں کی تاریخِ عشق ووفا

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو دنیا میں کوئی نبی اور ولی شہید نہ ہوتا، ہم ایک فرشتے سے سب کافروں کا گلا کٹوادیتے، فرشتہ ایک چیخ مارتا تو سب مر جاتے، لیکن مجھے ان کو مقامِ شہادت دینا تھا۔ اپنے عاشقوں کا مقام قیامت تک دِکھانا ہے کہ یہ آگ میں جل جاتے ہیں، اپنی گردن کٹوادیتے ہیں، اپنا خون بہادیتے ہیں، مگر میرے عشق سے دستبردار نہیں ہوتے۔ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو صرف حلوہ کھلا کر رکھتے، تو دنیا یہی کہتی کہ یہ محبت ہم نہیں مانتے، اللہ نے ان کو ہمیشہ حلوہ اور انڈا کھلایا ہے، اسی لیے یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں، لیکن اللہ نے نبیوں کا خون بہا کر، ان کی گردنیں کٹوا کر یہ ثابت کردیا کہ میرے عاشق میری محبت میں اپنی گردنیں تک کٹوادیتے ہیں۔ جنگِ اُحد میں ایک دن میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ کتنے لوگ آگ میں ڈالے گئے، مگر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم ایمان سے دستبردار ہوتے ہیں، ہم کو آگ میں مت ڈالو، سب ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس جہاں سے چلے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کو یہ دِکھانا ہے کہ میری ذات عزیز و حمید ہے یعنی میں زبردست طاقت والا ہوں، لیکن اس کے باوجود تمہارا مقامِ عشق و مقامِ محبت اور مقامِ وفاداری تاریخ کے اوراق میں لکھوانا چاہتا ہوں، ورنہ ہم تمہیں بچاسکتے ہیں، اس آگ کو ٹھنڈا کرسکتے ہیں۔ آگ کو ٹھنڈا کرنا کیا ہے، ان کافروں کو تباہ کرنے کے لیے ہمارا ایک حکم کافی ہے، لیکن ہم قیامت تک تمہاری وفاداری کے مقام کو تاریخ کے اوراق میں لکھوانا چاہتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ شہید کی روح ایسے نکلتی ہے جیسے چیونٹی کاٹتی ہے، یعنی اس کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی اور اس کے بعد فوراً جنت مل جاتی ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے آگ میں ڈال دیا اور قتل کردیا، حالاں کہ وہ جنت میں ٹہل رہے ہیں اور قیامت کے دن شہید اس حالت میں اُٹھائے جائیں گے کہ ان کے زخموں سے خون بہتا ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہوئے بھی شہیدوں سے پوچھیں

گے: یہ خون کیوں بہہ رہا ہے؟ یہ عجیب ادا ہے، یہ بھی محبوبانہ ادا ہے، اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ یہ خون کیسے بہہ رہا ہے؟ حالاں کہ جانتے ہیں کہ میری ہی راہ میں سب کچھ ہوا، لیکن اس سوال سے ان کے عاشقوں کو اتنا مزہ آئے گا اور اس کا جواب دینے میں اتنا مزہ آئے گا کہ اے خدا! آپ کی راہ میں یہ سب کچھ ہوا۔ اور ان کے زخموں سے تازہ خون بہتا رہے گا۔

شہادت کے متعلق ایک جدید علم

تو صرف دنیا کی تاریخ کے اوراق میں ان کی وفاداری رجسٹرڈ نہیں ہوئی، بلکہ میدانِ محشر میں بھی جب ساری کائنات موجود ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی داستانِ محبت کو نشر کریں گے، کیوں کہ یہ تاریخ اُن کی نظروں سے نہیں گزری جو قبروں میں یہ تاریخ رقم ہونے سے پہلے پہنچ گئے تھے، لہٰذا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سارے عالم کو جمع کردیں گے اور میدانِ محشر میں اپنے عاشقوں کی وفاداری کو ماضی حال اور مستقبل کے سارے انسانوں کو دکھائیں گے کہ دیکھو! یہ ہیں ہمارے عاشق کہ ابھی تک ان کا خون بہہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آج مجھے یہ ایک نیا عنوان عطا فرمایا کہ شہیدوں کا تذکرہ خالی دنیا کی تاریخ میں نہیں رقم کیا جائے گا، کیوں کہ جو ماضی میں گزر گئے ان کو کیسے پتا چلے گا کہ ان کے بعد اللہ کے کس عاشق کی گردن کٹی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے اپنے عاشقوں کی اس وفاداری کو بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جب شہیدوں کو اٹھایا جائے گا، تو ان کے زخموں سے تازہ خون بہتا ہوگا۔ کسی کی گردن کٹی، کسی کا ہاتھ کٹا، کسی کے تیر لگے، سب کو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا، تاکہ دنیا میں جو تاریخ انہوں نے اپنے خون سے لکھی تھی، آخرت میں بھی عشق و وفاداری کی یہ تاریخ سارے عالم پر روشن ہوجائے، کیوں کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے سارے انسان جمع ہوں گے، اس دن اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی قدر و قیمت لگائیں گے کہ دیکھو میں نے تم کو یہ عزت بخشی۔

آیتِ شریفہ میں اسمائے صفاتیہ
عزیز و حمید کے نزول کی حکمت

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفت بیان کیں، ایک **عزیز** یعنی زبردست طاقت والا،

تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ اپنے عاشقوں کی حفاظت سے مجبور تھا کہ وہ آگ میں جل رہے تھے اور اللہ عاجز ہو کر نعوذ باللہ! حفاظت پر قادر نہ تھا، اس لیے فرمایا کہ میں زبردست طاقت رکھتا ہوں، میں تمہیں دشمنوں کے ستم سے بچا سکتا تھا، لیکن تمہاری وفاداری تاریخ میں روشن نہ ہوتی، تمہاری غلامی، تمہاری بندگی کی شان ظاہر نہ ہوتی کہ میرے عاشق ایسے ہوتے ہیں، اس لیے میں دنیا کو تمہارا مقامِ عشق و محبت دِکھانا چاہتا ہوں، ورنہ میں زبردست طاقت والا ہوں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اسمائے صفاتیہ میں سے دوسری صفت **حمید** ذکر فرمائی یعنی میری شانِ حمد اور شانِ محمودیت اور شانِ حُسن کا تقاضا یہ تھا کہ تمہاری گردنیں کٹیں اور خون بہے اور میں تاریخِ عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت دونوں جہاں میں تمہاری محبت کا جھنڈا لہرادوں کہ ایسے ہوتے ہیں میرے عاشق۔ تو میں زبردست طاقت والا اور زبردست قابلِ حمد ہوں یعنی دنیا میں اور کوئی حمد کے قابل نہیں ہے سوائے اللہ کے، کیوں کہ اگر آج کسی کے حسن کی تعریف کرتے ہو تو کل اس کا زوالِ حسن دیکھ کر بھاگتے ہو یعنی جوانی میں جس آنکھ اور گال اور بال پر عاشق ہوئے تھے، جب ستر سال کی عمر میں وہ بڑھیا ہو کر آئی تب اسے دیکھ کر کہتے ہو۔

بگڑا ہوا جغرافیہ دیکھا نہیں جاتا
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرا جغرافیہ نہیں بدلتا **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ**[۱۹] ہر وقت میری نئی نئی شانیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ یہ ہے مخلوق اور خدا میں فرق۔

میں اُن کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتادے
لا مجھ کو دِکھا ان کی طرح کوئی اگر ہے

تو یہاں **حمید** نازل فرما کر بتادیا کہ اپنی عظمتِ شان کی وجہ سے صرف میں ہی قابلِ حمد ہوں اور میرے عاشقوں نے اپنا خون بہا کر میری حمد کی ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب کی زبان میں ایسا اثر تھا کہ ان کی تقریر سننے اتنا بڑا مجمع آیا تھا کہ میں نے لاہور میں اتنا بڑا مجمع کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تو

۱۹؎ الرحمٰن: ۲۹

مولانا مسیح اللہ خان صاحب نے یہ بات فرمائی کہ شیطان سے دو سبق لے لو۔ شیطان مردود ہو کر دو سبق دے گیا، اس کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ اس نے کوئی اچھا کام کیا، جیسے سنکھیا کھا کے کوئی مر جائے تو آدمی کہتا ہے کہ خدا بچائے! میں سنکھیا ہر گز نہیں کھاؤں گا اور نہ اپنے بچوں کو کھانے دوں گا۔ اس کے معنٰی یہ نہیں کہ سنکھیا کی تعریف ہو رہی ہے۔ تو شیطان کی مردودیت سے دو طبقوں کو سبق ملا، ایک عابدوں کو دوسرے عالموں کو۔ عبادت کرنے والوں کو یہ سبق ملا کہ دیکھو میں نے لاکھوں سال عبادت کی، مگر میری تربیت نہ ہونے سے اور اللہ والوں کی صحبت نہ اٹھانے سے تکبر کا مرض نہیں گیا، بلکہ عبادت کرنے سے تکبر کا نشہ اور بڑھ گیا۔

ایک صاحب کو حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اللہ اللہ کا ذکر بتایا، جب انہوں نے اللہ اللہ شروع کیا تو مزاج میں اور بڑائی آگئی، جیسے کسی کو قے ہو رہی ہو، ملیریا ہو، پیٹ میں صفرا ہو، تو وہ حلوہ یا انڈا یا دودھ یا مچھلی جو کھاتا ہے سب فاسد مادّہ بن جاتا ہے۔ اگر پیٹ میں انفیکشن ہے، زہریلا مادّہ ہے، تو جو دودھ وغیرہ پیے گا سب زہر بن جاتا ہے، تو چوں کہ اس شخص کے مزاج میں پہلے ہی سے تکبر تھا، لٰہذا جب حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اس کو ذکر بتایا تو عبادت کرنے سے اس کے مزاج میں اور اکڑ آگئی۔ اس نے کہا: اب تو میں اللہ اللہ بھی کرتا ہوں، لٰہذا اب سب کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ تم نے یہاں کیوں نماز پڑھ لی؟ یہاں لوٹا کیوں رکھ دیا؟ یہاں اپنی تسبیح کیوں ٹانگ دی؟ اور تم زور سے کیوں ذکر کر رہے ہو؟ تم کیوں رو رہے ہو؟

بغیر شیخ کے اصلاح نہیں ہوتی

ایک دن حکیم الامت نے دیکھ لیا اور بلا کر فرمایا کہ یہاں آیئے۔ آپ یہاں مریض ہیں یا حکیم ہیں؟ یہ اشرف علی یہاں کس لیے بیٹھا ہوا ہے؟ مریض کی حیثیت سے آپ کو خاموش رہنا چاہیے تھا، اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے تھا، میرا کیپسول کھاتے اور آرام سے بیٹھتے، یہ تم نے تھانہ بھون میں حکومت شروع کر دی، میں یہاں کس لیے بیٹھا ہوں، یہ لوگ تمہارے پاس آئے ہیں یا میرے پاس آئے ہیں؟ میری ڈانٹ سننے کے لیے آئے ہیں یا تمہاری پکڑ دھکڑ سننے کے لیے آئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ تمہارے مزاج میں تکبر ہے، تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں عمدہ غذا کھلائی جائے، ابھی تمہیں جلاب دینا پڑے گا، تمہارے پیٹ سے

صفرا نکالنا پڑے گا، لہٰذا آج سے تمہارا ذکر ملتوی۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ دیکھو میں نے ذکر کے لیے لفظ ملتوی اختیار کیا یعنی فی الحال ذکر بند کردو، ترک کا لفظ نہیں اختیار کیا کہ ذکر کو ترک کردو، کیوں کہ اللہ کے نام کے ساتھ لفظِ ترک استعمال کرنا میں بے ادبی سمجھتا ہوں کیوں کہ ترک کا لفظ چھوڑنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ جیسے آج کل لوگ کہتے ہیں کہ آیئے میری موٹر میں بیٹھ جایئے، میں آپ کو چھوڑ دوں۔ میں کہتا ہوں: خدا کے لیے مجھے چھوڑیے مت، پہنچا دیجیے۔ تو حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ان صاحب سے فرمایا کہ تمہارا ذکر ملتوی کرتا ہوں، اس وقت تک جب تک کہ مجھے اطمینان نہ ہو جائے کہ تمہارا تکبر چلا گیا۔ اور دوسرا نسخہ یہ ہے کہ جتنے نمازی ہیں ان کے جوتے سیدھے کرو اور وضو خانے کی نالی میں نمازیوں کا جو بلغم وغیرہ ہے وہ صاف کرو، ذکر کے بدلے اب یہ کام کرنے کو ملے گا۔ دوا بدل گئی، پہلے کونین دی جائے گی، حلوہ نہیں کھلایا جائے گا۔ کونین کڑوی ہوتی ہے جس کا ایک نام ریسوچین بھی ہے، جب ریسوچین کھائی تو چین آیا یعنی روحانی ملیریا کا جو مادّہ تھا وہ نکلا۔ جب تکبر نکلا تو دل میں سکون اور ان کے اخلاق میں نرمی آگئی، غصے میں اعتدال آنے لگا، ڈانٹ ڈپٹ سب ختم ہوگئی، اب خاموشی سے نالی صاف کر رہے ہیں اور جوتیاں سیدھی کر رہے ہیں، ایک زمانے بعد تکبر سے نجات مل گئی اور اللہ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچادیا، ان کو بہت نوازا اور وہ بہت بڑے ولی اللہ ہوئے۔

ایک عالم صاحب ایک بزرگ کے پاس آئے، ان کے اندر بھی یہی مرض تھا، ان کو علم کا نشہ ہوا، تو انہوں نے خط میں اپنے مرشد کو حال لکھا کہ حضرت آج کل ذکر میں مزہ نہیں آرہا۔ شیخ نے اندازہ لگالیا۔ فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے آپ کی تقریروں سے آپ کی تعریف ہوئی ہے اور درس و تدریس پر زیادہ تعریفیں سننے سے آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے، لہٰذا آپ اب ذکر کو ملتوی کیجیے اور پانچ کلو اخروٹ خریدیے اور سر پر رکھیے اور جس محلے میں بچے بہت زیادہ ہوں وہاں بیٹھ جایئے اور سب بچوں سے کہیے کہ جو میرے سر پر ایک تھپڑ مارے گا اس کو ایک اخروٹ دوں گا۔ بچوں کو تو دو قسم کے مزے آگئے، تھپڑ مارنے کا مزہ الگ اور اخروٹ ملنے کا الگ۔ انہوں نے وہ دھول لگائی کہ سر سے پگڑی ادھر جا گری اور ٹوکرا خالی ہوگیا اخروٹ سے اور دماغ خالی ہوگیا تکبر کی پوٹ سے۔

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں

اگر علماء اپنی دستارِ فضیلت کو اللہ والوں کی جوتیوں میں ڈال دیں، کچھ دن نفس کو مٹالیں، تو واللہ! کہتا ہوں دس سال جو درسِ نظامی پڑھا ہے، اس کے بعد ان کی تقریر میں وہ اثر نہیں آسکتا جو سال، چھ مہینے، چالیس دن کسی ولی اللہ کے ہاں اس طرح رہنے سے آجائے گا کہ خانقاہ سے ایک سیکنڈ کو بھی باہر نہ نکلیں، کھانا اندر منگالیں، مخلوق نظر ہی نہ آئے، بس اللہ ہی اللہ نظر آئے، ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہیں اور کسی سے زیادہ بات چیت بھی نہ کریں، بس شیخ کی صحبت میں رہیں، کتب بینی کریں، بزرگوں کے ملفوظات و مواعظ دیکھیں، ذکر کریں اور خاموش بیٹھے رہیں۔

ایمان کا تحفظ صحبتِ اہل اللہ کے بغیر ناممکن ہے

جنہوں نے اللہ والوں کی جوتیوں میں اپنے نفس کو مٹایا، خدائے تعالیٰ نے ان کی تقریر میں، تحریر میں، ہر بات میں اثر رکھ دیا۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو کیا ہو گیا تھا کہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے، حالاں کہ یہ خود بہت بڑے عالم تھے، کم علم نہیں تھا ان کا۔ دوستو! اسی لیے کہتا ہوں کہ شیطان بہت بڑا عابد بھی تھا اور بہت بڑا عالم بھی تھا، لیکن شیطان دو طبقوں کو سبق دے گیا۔ ایک عابدوں کو کہ عابدو! عبادت کا نشہ تم کو اللہ سے مردود کر سکتا ہے اور ایک سبق عالموں کو دے گیا کہ عالمو! علم کا نشہ بھی تم کو اللہ سے مردود کر سکتا ہے، کیوں کہ شیطان کا علم سب سے زیادہ تھا، شیطان بہت بڑا عالم تھا اور اب بھی ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ ہم کو تو اپنے نبی ہی کی ساری شریعت یاد نہیں اور اس کو تمام نبیوں کی شریعت یاد ہے، کیوں کہ اس نے ہر نبی کا زمانہ دیکھا ہوا ہے، اس لیے بڑے بڑے علماء کو اس نے پٹخ دیا۔

امام فخر الدین رازی کے انتقال کے وقت شیطان آیا اور توحید پر اِشکال قائم کرنے لگا، امام فخر الدین رازی نے توحید پر ننانوے دلائل دیے لیکن شیطان نے سب کی کاٹ کر دی، ان کے سارے دلائل کو اپنے دلائل سے رد کر دیا۔ آخر کار ان کے شیخ سلطان نجم الدین کبریٰ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت سے مطلع فرمادیا، وہ اس وقت وضو کر رہے تھے، انہوں نے وضو کا لوٹا

پھینکا اور کہا: اے فخر الدین رازی! شیطان سے مت بحث کر، اس سے کہہ دے کہ میں بلا دلیل اللہ کو ایک مانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ کی آواز امام رازی کے کانوں تک پہنچادی اور انہوں نے شیطان سے کہا کہ میں بے دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں۔ تب جا کر ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا شیخ کا تعلق اور شیخ کی دعا کام آئی۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے اپنی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اس سے بحث کرنے کو نہیں فرمایا۔

شیطانی وَساوِس کا علاج

قرآنِ پاک میں ہے: وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ[۲۰] ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو بڑے لوگ پالتے ہیں، جب آپ ان کے گھر کی گھنٹی بجاتے ہیں تو ان کا کتا بھونکتا ہے، لیکن آپ اس کے بھونکنے کا جواب نہیں دیتے، بلکہ گھنٹی بجاتے ہیں یا کتے کے مالک کو آواز دیتے ہیں کہ میں آپ کے بنگلے میں آنا چاہتا ہوں۔ کتے کے مالک کے پاس کتے کے لیے خاص کوڈورڈ، خاص الفاظ ہوتے ہیں، وہ اس کوڈورڈ میں کتے کو حکم دیتا ہے اور کتا بھونکنا چھوڑ کر دُم ہلانے لگتا ہے۔ تو ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں بڑے لوگوں کے کتے کو اگر جواب دو گے تو وہ اور بھونکے گا، اس کے مالک سے رابطہ قائم کرو تو وہ اس کو خاموش کر دے گا۔ اسی طرح شیطان اللہ کا کتا ہے فَاِنَّ الشَّیۡطَانَ کَالۡکَلۡبِ الۡوَاقِفِ عَلَی الۡبَابِ شیطان گیٹ والے کتے کی طرح ہے جو اللہ کے دربار کے باہر کھڑا ہوا ہے، دربارِ الٰہی کا مردود ہے، اس لیے دربار سے باہر ہے، اب جو دربار میں جانا چاہتا ہے اس کے وسوسہ ڈالے گا، اگر آپ نے اس کے وسوسے کا جواب دینا شروع کیا، تو بس پھر خیریت نہیں ہے، جواب دیتے دیتے آپ کو پاگل کر دے گا، تم کچھ کہو گے وہ بھی کچھ کہے گا، اس سے نجات نہیں ملے گی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی گھنٹی بجاؤ۔ وہ کون سی گھنٹی ہے؟ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ اے اللہ! میں اس مردود شیطان سے پناہ چاہتا ہوں۔ ان شاء اللہ اس کلمہ کی برکت سے فوراً اللہ کی مدد آئے گی اور شیطان دُم ہلانے لگے گا۔ ایک کلمہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں۔

۲۰؎ الاعراف: ۲۰۰

وہ کلمہ یہ ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ[۲۱] ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے نبیوں پر۔

تو شیطان کو تکبر کا نشہ تھا، اس کا کوئی مربی نہیں تھا۔ آج بھی یہی حالت ہے کہ اگر کسی سے تربیت نہ کرائی، کسی شیخ کی خدمت میں زندگی نہیں گزاری، کسی شیخ سے بیعت نہیں کی اور خود مربّی بن گیا، تربیت کا کام شروع کردیا تو کیا حال ہوگا؟ سب کو ہلاک کرے گا، لہٰذا کسی سے تعلق کرنے سے پہلے کم سے کم یہ تو دیکھو کہ اس نے کس شیخ سے اپنی تربیت کرائی ہے؟ پہلے یہ خود مربّہ بنا ہے یا ویسے ہی مربّی بن گیا؟ اور پھر اس کے شیخ کا کون شیخ ہے؟ اس کا پورا روحانی نسب نامہ دیکھو، جیسے شادی بیاہ کرتے وقت نسب دیکھتے ہو کہ نہیں کہ اس کا خاندان کون سا ہے؟ اسی طرح اگر آپ اللہ تعالیٰ کا تعلق چاہتے ہیں، ایمان، یقین اور اپنے دل کو اللہ والا بنانا چاہتے ہیں، تو یہاں بھی نسب دیکھ لو کہ جس کو شیخ بنا رہے ہو اس کا سلسلہ کہاں سے ملتا ہے، اس نے خود کسی سے تربیت کرائی ہے؟ کسی شیخ کی صحبت اٹھائی ہے؟ کیوں کہ تکبر کا نشہ اہل اللہ سے علاج کرائے بغیر نہیں اترتا۔ دیکھیے! مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خادمِ خاص شاہ غلام علی صاحب کتنے بڑے شیخ تھے۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے خلیفہ مولانا خالد کُردی تھے جو شام میں رہتے تھے، علامہ شامی ابنِ عابدین رحمۃ اللہ علیہ اور تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ان کے مرید ہیں۔ شاہ غلام علی صاحب ایک دن اپنے شیخ مرزا مظہر جانِ جاناں کو پنکھا جھل رہے تھے، شیخ نے فرمایا: ارے غلام علی! تیرے ہاتھ میں جان نہیں ہے؟ اب بہت تیز جھلنے لگے، تو فرمایا: غلام علی! اُڑا دے گا کیا؟ ان کے منہ سے اتنا نکل گیا کہ کسی حالت میں چین نہیں ہے، نہ یوں بنے ہے نہ یوں بنے ہے، یعنی آہستہ جھلوں تو کہتے ہیں ہاتھ میں جان نہیں، تیز جھلوں تو کہتے ہیں کیا اڑا دے گا؟ بس شیخ ناراض ہوگئے۔ یہ راستہ بہت نازک ہے۔ غرض شیخ بہت دن تک ناراض رہے، شاہ غلام علی صاحب بہت رویا کرتے تھے، اخیر میں ان کے چہرے سے اور حالات سے پتا چل گیا کہ کبر ٹوٹ گیا، نشۂ خود رائی نکل گیا تو معافی ہوگئی، اسی لیے روحانی امراض کا شیخ سے علاج کرانا پڑتا ہے۔ مولانا مسیح اللہ خان صاحب نے لاہور کے اجتماع میں جو سبق دیا، بس تمام تقریر کا خلاصہ یہی ہے کہ تکبر کا نشہ نہ آنے دو۔ روحانی بیماریاں دو ہی تو ہیں، ایک باہی ایک جاہی، باہی، سے مراد بدنگاہی، شہوت، نفسانی

---

[۲۱] کنزالعمال: ۲۴۶/۱ (۱۲۳۷)، فصل فی الشیطان ووسوستہ، مؤسسۃ الرسالۃ

خواہشات اور جاہی سے مراد عُجب اور تکبر ہے اور تکبر کا مرض خواہشاتِ نفسانیہ سے زیادہ خطرناک ہے کیوں کہ شہوت اور نفسانی خواہشات سے تو آدمی اپنے کو حقیر سمجھتا ہے، لہٰذا اس سے جلد توبہ نصیب ہو جاتی ہے، لیکن کبر کا نشہ بڑی مشکل سے جاتا ہے۔ شیخ کی خدمت میں پڑا رہے، خوب ڈانٹ ڈپٹ کھائے، کم سے کم چالیس دن کسی اللہ والے کے پاس لگا لے ان شاء اللہ حالات بدل جائیں گے، صاحبِ نسبت ہو جائے گا، دل خود کہہ دے گا کہ کوئی چیز آ گئی اور بزبانِ حال خواجہ صاحب کی طرح اپنے شیخ کو خطاب کر کے کہے گا ؎

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

بس چند دن کی مشقت ہے زیادہ نہیں ہے ؎

سر شکستہ نیست ایں سر را مبند
یک دو روزے جہد کن باقی بخند

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

پہنچنے میں ہو گی جو بے حد مشقت
تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہو گی

اللہ والا بننے کا نسخہ

جس دن ہر گناہ سے چھٹکارا مل جائے گا، جتنے کانٹے ہیں سب نکل جائیں گے، اس دن معلوم ہو گا کہ دنیا ہی میں جنت مل گئی۔ مجاہدہ زیادہ دن کا نہیں ہوتا، کچھ دن کے بعد ہلکا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس بدپرہیزی کرنے سے اور آنکھوں کو خراب کرنے سے چین حاصل کرنے کا تصور پاگل پن اور حماقت ہے، اس کی نحوست سے دنیا بھی تلخ اور آخرت بھی تلخ، نہ دنیا میں چین نہ آخرت میں چین۔ بس سمجھ لو مجاہدہ چند دن کی بات ہے، مگر یہ سودا بہت ہی سستا ہے، تھوڑا سا غم اٹھا لے، اللہ کے لیے ہمت کر لے، پھر چند دن کے بعد مجاہدہ بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ آج جو نظر بچانا مشکل ہے، چند دن کے بعد وہ نظر بچانا بھی صالحین کے ماحول میں آسان ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ صاحبِ نسبت اور اللہ والا ہو جاتا ہے، خدائے تعالیٰ کی حفاظت میں

www.khanqah.org

آجاتا ہے اور گناہ سے مانوسیت ختم ہوتی چلی جاتی ہے اور ذرا سی غلطی سے دل میں پریشانی اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے، جیسے کوئی شخص جلتا ہوا سگریٹ لگا دے تو اس وقت یہ کوئی نہیں کہتا کہ ڈرو مت یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے بڑی آگ نہیں ہے، مگر آپ اس سے بھی ڈرتے ہیں۔ دوستو! اسی طرح گناہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ تعالیٰ کی تھوڑی ناراضگی بھی بڑی ناراضگی ہے۔ یہ اس لیے عرض کر دیا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ چھوٹا گناہ ہے یا بڑا، صغیرہ گناہ ہے یا کبیرہ؟ بتائیے! سگریٹ کی چھوٹی چنگاری کیا کم خطرناک ہے؟ بس حضرت حکیم الامت کا تین سطر کا ایک ملفوظ میری تقریر کا خلاصہ ہے۔ میری یہ ساری تقریر حضرت کے متن کی شرح ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم شریعت پر چل کر دیکھو ان شاء اللہ سب تمہاری عزت کریں گے، جس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ جو پکے مسلمان ہیں انگریز، ہندو پارسی وغیرہ سب ان کی عزت کرتے ہیں، تم دین پر قائم رہو ساری قومیں تمہاری غلام بن جائیں گی۔ تو حضرت حکیم الامت کا یہ ملفوظ میری ساری تقریر کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، یا اللہ! اپنی رحمت سے ہم سب کو اپنی ذاتِ پاک کو راضی کرنے کی توفیق نصیب فرمادے اور اپنی ناراضگی سے بچنے کی توفیق نصیب فرما دیجیے، یا اللہ! شہوت کا نشہ ہو یا کبر کا نشہ ہو، بڑائی کا نشہ ہو یا خواہشات کا نشہ ہو ہر قسم کے نشے کو اتار کر اے اللہ! ہم کو نفس و شیطان کی غلامی سے نکال کر اپنی سو فیصد فرماں برداری نصیب فرمادے، اے اللہ! ہماری دنیا بھی عافیت کی بنا دیجیے اور آخرت بھی عافیت کی بنا دیجیے، ہم سب کو نسبت کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائیے، نسبت کے تین درجے اے خدا! تیرے ایک مقبول بندے مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی نے لاہور میں بیان فرمائے کہ بعض لوگوں کو اللہ سے تعلق تو ہے مگر اس کا نام نسبتِ ضعیف ہے، دوسرا درجہ نسبتِ قوی اور تیسرا درجہ ہے نسبتِ اقویٰ، تو ضعیف، قوی اور اقویٰ تین درجے ہو گئے، تو میرے اللہ اپنی رحمت سے، اپنے کریم ہونے کے صدقے میں ہم سب کی ضعیف نسبت کو قوی کر دے اور جن کی نسبت قوی ہے اس کو اقویٰ کر دے یعنی جو سب سے بڑی نسبت ہے، جو اولیائے صدیقین کو عطا ہوتی ہے وہ نسبت ہمیں عطا فرمادے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

اس وعظ سے کامل نفع حاصل کرنے کے لیے یہ دستور العمل کیمیا اثر رکھتا ہے

دستور العمل

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

وہ دستور العمل جو دل پر سے پردے اٹھاتا ہے، جس کے چند اجزاء ہیں، ایک تو کتابیں دیکھنا یا سننا۔ دوسرے مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمد ورفت نہ ہوسکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات وملفوظات ہی کا مطالعہ کرو یا سن لیا کرو اور اگر تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کرلیا کرو تو یہ اصلاحِ قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لیے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اس طرح باتیں کرو کہ

''اے نفس! ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ موت بھی آنے والی ہے۔ اُس وقت یہ سب مال ودولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے۔ اس لیے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لیے کچھ سامان کر۔ عمر بڑی قیمتی دولت ہے۔ اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر۔ مرنے کے بعد تو اس کی تمنا کرے گا کہ کاش! میں کچھ نیک عمل کرلوں جس سے مغفرت ہوجائے، مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی۔ پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کرلے۔''

❁❁❁❁

www.khanqah.org

آج مسلمانوں کے زوال کا سبب صرف ایک ہی ہے یعنی اسلام سے دوری اور اس مرض کا علاج بھی صرف ایک ہی ہے یعنی اہل اللہ کی صحبت، کیوں کہ دین کی سمجھ صرف بزرگانِ دین کی صحبتوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ دین پر استقامت اور ترقی نیک صحبت حاصل کیے بغیر ممکن نہیں۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ ”آدابِ محبت“ میں دین کی صحیح سمجھ حاصل کرنے کے لیے عوام اور خواص دونوں کے لیے صحبتِ اہل اللہ کا اہتمام کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ حضرت اقدس کا ارشادِ گرامی ہے کہ علم اور عبادت سے نفس مٹتا نہیں بلکہ اور پھولتا ہے، اس لیے علمائے کرام اور صوفیا حضرات کے لیے اپنے مرشد سے نفس کی اصلاح کرانا عوام الناس سے زیادہ ضروری ہے۔ حضرت اقدس نے اس وعظ میں جہاں اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے وہیں ان کی عظمتوں اور محبتوں کا حق ادا کرنے کا اہتمام کرنے کی بھی نہایت مؤثر اور دلنشیں انداز میں تاکید فرمائی ہے۔

www.khanqah.org

ناشر

کتب خانہ مظہری

AW060